مسلسل اشاعت کے اڑتالیس سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ الحق

572
جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ
اپریل 2013

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمد للہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک وبیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباء نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تا قیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف دو کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباء علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کیلئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ رقوم چیک، ڈرافٹ، پے آرڈر یا آن لائن کی جاسکتی ہیں۔ **واجرکم علی اللہ**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

یو بی ایل اکوڑہ خٹک	نیشنل بینک اکوڑہ خٹک	مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ
برانچ کوڈ (0288)	برانچ کوڈ (1520)	11240201001102-6
اکاؤنٹ نمبر 100-0001-7	اکاؤنٹ نمبر 17-5	

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَ عَلٰی اٰلِهٖ وَسَلِّمْ تَسلِیمًا

اے بی سی آڈٹ

ماہنامہ

الحق

اکوڑہ خٹک

موزروس کوبیشن کی جلد قد اشاعت
15-5-13

جلد نمبر.............48
شمارہ نمبر 07
جمادی الثانی......۱۴۳۴ھ
اپریل ۲۰۱۳ء

مدیر اعلیٰ	نگران	مدیر
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ	حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ	حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

- نقش آغاز: جنرل پرویز مشرف کی گرفتاری.............راشد الحق سمیع حقانی ۲
- دینی مدارس روایت اور تجدید.............شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نوراللہ مرقدہ ۴
- عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات ...... مولانا حافظ عرفان الحق حقانی ۹
- کرامات اولیاء (قرآن وسنت کی روشنی میں).....شیخ الحدیث حضرت مولانا حافظ انوار الحق ۱۵
- علم اُصول حدیث میں علماء احناف کی تصنیفی خدمات.............مولانا نور محمد ثاقب ۲۲
- امام بخاریؒ کے تعلیمی نظریات سے قدیم وجدید ماہرین تعلیم کا اتفاق.....مولانا یاسر احمد زیرک ۲۹
- اسلام کا فلسفہ تعدد ازواج.............محترمہ کائنات فاطمہ ۳۷
- اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال ....علامہ عبدالرشید عراقی ۴۲
- حقائق سے چشم پوشی کیوں؟.............ڈاکٹر محمود الحسن عارف ۴۵
- افکار و تاثرات بنام مدیر.....(مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، مولانا عبدالمعبود، مولانا مشتاق عباسی، مولانا محمد مہر خاور چودھری، قاضی رویس خان، مولانا سعید الحق جدون حقانی.............ادارہ ۵۴ ۵۹
- دارالعلوم کے شب و روز.............جناب شفیق الدین فاروقی
- تعارف و تبصرہ کتب.............ادارہ ۶۱

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (خیبر پختونخوا) پاکستان۔ فون نمبر (0923) 630435
فیکس نمبر Fax(0923)630922
ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com
فیس بک ایڈریس Facebook\Alhaq Akora Khattak
ویب سائٹ: www.jamiahaqqania.edu.pk

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/25 روپے سالانہ -/250، بیرون ملک 25$ امریکی ڈالر
پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، منظور عام پریس پشاور
کمپوزنگ: بابر حنیف

نقش آغاز　　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　　راشد الحق سمیع حقانی

جنرل پرویز مشرف کی گرفتاری

دیکھو مجھے جو دیدہ عبرت نگاہ ہو

تو منکرِ قانون مکافاتِ عمل تھا　　　لے دیکھ تیرا عرصہ محشر بھی یہیں ہے

کہتے ہیں کہ تاریخ سب سے بڑی منصف ہے' جب مطلق العنان حکمران اپنے وقت کا فرعون اور گیارہ سال تک پاکستان کے سیاہ وسفید کا مالک پرویز مشرف کمرہ عدالت میں اُنہی ججوں کے سامنے بحیثیت ملزم اعظم حاضر ہوئے جنہیں اِس نے گرفتار و برطرف کیا تھا تو قدرت کے نظامِ انصاف اور قانون مکافاتِ عمل پر یقین پہلے سے کئی گنا زیادہ پختہ ہوگیا اور برے کاموں کے برے انجام والی کہاوتوں اور کہانیوں کے حقانیت پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ آشکارا ہوگئی۔ یہی تاریخ کا دستور اور وطیرہ ہے کہ بڑے بڑے جابروں اور ظالموں کا اکثر انجام ایسا ہی ہوتا چلا آرہا ہے۔ پھر جب کراچی میں عدالت کی ایک حاضری میں ایک وکیل نے پرویز مشرف کے سیاہ چہرے پر سیاہ جوتے سے وار کیا تو یہ شرمناک منظر دنیا بھر کے کروڑوں انسانوں نے نیٹ اور ٹی وی کے ذریعے دیکھا۔

یہ وقت کس کی رعونت پہ خاک ڈال گیا　　　وہ کون بول رہا تھا خدا کے لہجے میں

پرویز مشرف کے گیارہ سالہ دورِ اقتدار پر طائرانہ نظر ڈالنے والا ہر ذی ہوش اور غیرت مند پاکستانی اس کے سخت ترین سزا کا منتظر ہے۔ گیارہ سال ڈنڈے کے زور پر حکمرانی' لال مسجد کے معصوم طلباء' جامعہ حفصہ کی معصوم طالبات کو فاسفورس بموں سے بھسم کرنے' امریکہ سے ساز باز کرکے ڈرون حملوں کے مواقع فراہم کرنے' ہزاروں قبائلی عوام کے قتل عام کرنے' بلوچستان میں بگٹی قتل سمیت تمام لسانی فسادات کو نقطہ عروج پر پہنچانے' محسن پاکستان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو نظر بند کرنے محب وطن ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو امریکہ کے حوالے کرنے' ججوں پر پابندی عائد کرنے' بے نظیر قتل سمیت' ہر ہر جرم نا قابل معافی ہے' جس کا پوری قوم کو شدت سے انتظار ہے۔ خصوصاً پاکستانی عدلیہ کیلئے یہ ایک کٹھن مرحلہ ہے۔ اگر عدلیہ نے انصاف سے فیصلہ کرلیا تو یہ پوری پاکستانی قوم کی دلوں کی آواز ہوگی اور پوری دنیا میں پاکستان کی عزت ووقار کا سبب بنے گا۔ یہ ایک ایسا تاریخی مقدمہ ہے جس کے فیصلے پر دنیا بھر کی نگاہیں مرکوز ہیں۔ اس حوالہ سے یہ خبر بھی خوش آئند ہے کہ ادھر پاکستانی پارلیمان کے ایوان بالا سینٹ نے ایک بار پھر منظور کردہ قرار داد میں مطالبہ کیا ہے کہ سابق فوجی صدر کے خلاف جمہوریت کو پٹڑی سے اترانے اور آئین کو پامال کرنے کے جرم میں آئین کی شق 6 کے تحت غداری کا مقدمہ چلایا جائے۔ ایوان بالا میں یہ قرار داد اپوزیشن لیڈر

اور مسلم لیگ (ن) کے مرکزی رہنما اسحاق ڈار نے پیش کی جو تمام جماعتوں نے متفقہ طور پر منظور کی۔لیکن کیا محض قراردادوں سے یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے؟ پرویز مشرف جو کہ ملک وملت کا غدار اور مجرم اعظم ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت خاص کی بدولت دوبارہ پاکستان کے زندانوں اور عدالتی کٹہروں میں رسوا ہونے کے لئے زیردام آ گیا ہے' اب تمام قوم اور سیاسی جماعتوں کا کڑا امتحان ہے کہ اس کو بھاگنے یا فرار ہونے نہ دیا جائے۔ بین الاقوامی قوتیں اور اس کے پرانے ہمنوا اس دوسرے ریمنڈ ڈیوس کو پاکستان سے نکالنے کی بھرپور تیاریوں میں معروف ہیں۔نگران حکومت جو پہلے ہی کٹھ پتلی اور بیساکھیوں پر چل رہی ہے خدشہ یہی ہے کہ بڑی سیاسی جماعتیں بھی اس بات پر خفیہ طور پر نیم دلی سے راضی ہوگئی ہیں کہ پرویز مشرف ان کی آنے والی حکومتوں کے بننے سے پہلے پہلے فرار ہوجائے تاکہ انہیں امریکہ یا اسٹیبلشمنٹ کی دشمنی کہیں نہ مول لینی پڑ جائے۔

اس کیس کے مقدمے کے مدعی کا مطالبہ بھی حق بجانب ہے کہ عدالت پرویز مشرف کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کرے جس طرح عام ملزمان کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ پرویز مشرف سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کے قتل' سابق وزیراعلیٰ بلوچستان نواب اکبر بگٹی کے قتل اور اعلیٰ عدلیہ کے ججوں کو حبس بے جا میں رکھنے کے مقدمات میں اشتہاری ہیں۔ عام آدمی کا مطالبہ ہے کہ اگر ایک وزیراعظم کو پھانسی دوسرے کو قید اور تیسرے کو نااہل قرار دیا جاسکتا ہے تو ایک فوجی آمر کو اس کے جرائم کی سزا کیوں نہیں دی جاسکتی؟ اگر سابق وزیر اعظم کو ہتھکڑیاں لگا کر جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بھیجا جاسکتا ہے تو جنرل (ر) مشرف کیلئے اس کا پرتعیش فارم ہاؤس سب جیل کا کام کیوں دے؟ یہ امتیازی رویہ کس بناء پر؟

پرویز مشرف کی وکالت کرنے والوں' ان کو معصوم ثابت کرنے والوں اور ان کیلئے دل میں نرم گوشہ رکھنے والوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ عافیہ صدیقی کے معصوم بچوں سے لے کر لال مسجد اور جامعہ حفصہ میں شہید بچیوں کی ماؤں تک' ہزاروں لاپتہ ہوجانے' امریکہ کے ہاتھ ڈالروں کے عوض بیچ دیئے جانے والوں کی مائیں بھی نالہ ہائے نیم شبی میں کوئی فریاد کررہی ہیں۔اب وہ انصاف کی منتظر ہیں۔ خصوصاً وہ لوگ جو اس پرائی جنگ میں جلنے کا ایندھن بنے ان کے خون کا حساب بھی اِس ظالم سے لینا ہے اور ان پسماندگان کی نگاہیں بھی عدالت کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔لیکن قابل افسوس امر یہ ہے کہ تمام سیاست دان الیکشن اور ذاتی مفادات کے حصول کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں اور اس سنجیدہ موضوع کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے حالانکہ پرویز مشرف کی گرفتاری پوری پاکستانی قوم کی عزت ووقار کا مسئلہ ہے۔ یہ شخص ننگ دیں' ننگ وطن' ننگ ملت اور میر جعفر ومیر صادق سے ہزاروجہ زیادہ گناہگار ہے۔ پرویز مشرف جیسے بڑے آمر کی گرفتاری' جگ ہنسائی اور رُسوائی میں دیگر سیاستدانوں کیلئے بڑی عبرت ہے۔

عدل وانصاف صرف حشر پر موقوف نہیں ۔ زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق نور اللہ مرقدہ

انٹرویو: پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد *

دینی مدارس روایت اور تجدید

پروفیسر ڈاکٹر ممتاز نامور مصنف، محقق، ماہر تعلیم اور ماہر عمرانیات وسیاسیات ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے وائس چانسلر ہیں۔ان کی دسیوں تحقیقی کتابیں اردو اور انگریزی میں شائع ہوئی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر مقبولیت حاصل کرچکی ہیں۔ حال ہی میں ان کی کتاب "دینی مدارس روایت وتجدید علماء کی نظر میں" شائع ہوئی ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کے وہ مکالمات اور انٹرویوز ہیں جوانہوں نے مختلف مکاتب فکر کے چیدہ چیدہ شخصیات سے ۷۵ء کی دہائی میں لئے۔ مدارس کے نصاب ونظام کے حوالے سے یہ کتاب ایک ریفرنس بک (Refrence Book) کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ ان مکالموں میں شامل شخصیات اپنے وقت کے ائمہ تھے۔لہٰذا ان کی رائے ہر ایک کے لئے قابل علم ہوسکتی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے علماء سے تعلق کی بناء پر کتاب کا انتساب بھی شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ؒ اور مفتی محمد حسین خان نعیمیؒ کے نام کیا ہے۔قارئین کی دلچسپی کے لئے صرف شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کا انٹرویو کا خلاصہ پیش خدمت ہے، تفصیل کے لئے کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔ (ادارہ)

دینی مدارس کا نصاب تعلیم: دینی مدارس کا نظام تعلیم دراصل دینیات کی تعلیم کا نظام ہے۔اس نظام تعلیم میں شریعت کی تعلیم دی جاتی ہے۔شریعت جو کامل اور مکمل ہے۔اس میں عبادات، معاملات، معاشرتی امور، سیاسیات، معاشیات، نکاح وطلاق کے مسائل، رعیت اور حاکم کے حقوق وفرائض، بیع وتجارت اور مضاربت، میراث ووصیت کے مسائل غرض زندگی کا ہر پہلو اور ہر مسئلہ شامل ہے۔

یہ نظام تعلیم جس مقصد کیلئے قائم کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ اسلامی احکامات اور قوانین کی تعلیم کو باقی اور جاری رکھا جائے۔اسی لیے قرآن، حدیث اور فقہ کے علوم اس نظام تعلیم میں بنیادی حیثیت سے شامل کیے گئے۔پھر قرآن اور حدیث سے احکامات اور قوانین مستنبط کرنے کے اصول وضع ہوئے اور اس عمل نے باقاعدہ علم کی صورت اختیار کی تو اسے "اصول فقہ" کے نام پر اس نظام تعلیم میں رائج کیا گیا۔بعد میں جب دور عباسیہ میں یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل ہوا تو اس فلسفے کے مختلف مسائل کو الٰہیات، طبعیات، منطق اور عنصریات کے عنوانات سے اس نظام تعلیم میں شامل کرلیا گیا لیکن فلسفۂ یونان کے منفرد پہلو اسلامی عقائد سے متصادم اور متناقض تھے،

---

* صدر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

چنانچہ علما اسلام نے ان پہلوؤں کا ابطال کیا اور ان کے تنقیدی مطالعہ کو علم کلام کی صورت میں دینی تعلیم میں شامل کر لیا گیا۔ فلسفہ اور منطق کی کتابیں کم وبیش اسی دور میں نصاب تعلیم میں شامل کی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ ایسے فلسفیانہ نظریات کا تنقیدی مطالعہ کر کے ان کا ابطال کیا جائے جو اسلامی تعلیمات سے متعلق شکوک وشبہات پیدا کر سکتے تھے۔ علم کلام کی تشکیل اسی مقصد کو سامنے رکھ کر کی گئی۔

علاوہ ازیں چونکہ قرآن اور حدیث کو سمجھنے کے لیے عربی زبان، اس کے محاورات اور کمالات سے واقفیت ضروری تھی، اسی لیے عربی گرائمر......صرف ونحو...... کی تشکیل ہوئی۔ پھر قرآن کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے کے لیے، جو اپنی مثال آپ تھی، علم بیان ومعانی کی تشکیل ہوئی تا کہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کے لطیف پہلوؤں کا ذوق پیدا ہو سکے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ عربی گرائمر اور علمِ بیان ومعانی کا مطالعہ بجائے خود کوئی مقصد نہ تھا بلکہ ان علوم کی تعلیم کو قرآن وحدیث ہی کی تفہیم کے لیے شامل کیا گیا تھا۔

دینی مدارس کی تعلیم کا مقصد: اس تعلیم کا بنیادی مقصد دین کا تحفظ اور اسکی اشاعت تھا۔ موجودہ دینی مدارس کا نصب العین بھی صرف یہی ہے کہ دینی تعلیمات کا تحفظ کیا جائے، اس سے زیادہ ان مدارس کی بساط نہیں ہے۔ اصل کام جو موجودہ حالات میں ہمارے کرنے کا ہے وہ یہ ہے کہ جو دین بزرگوں سے ہم تک پہنچا ہے، وہی محفوظ رہے۔ اُس سے آگے بڑھ کر کچھ اور کرنے کیلئے نہ ہمارے پاس وسائل ہیں اور نہ فنڈز۔ کوئی فعال نصب العین مدارس دینیہ اس وقت اپنے سامنے رکھیں گے جب حکومت بھی تعاون کریگی اور اس کار خیر میں حصہ لیگی لیکن حکومت کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپکو اس اعتماد کا اہل اور قابل ہی ثابت نہیں کرتی کہ وہ اس کام میں کوئی حصہ لے سکے۔

مدارس دینیہ کی تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت: میرے نزدیک اپنے مقصد اور نصب العین کے اعتبار سے اس نظام تعلیم میں کوئی ایسی کمی نہیں ہے جسے دور کرنے کیلئے اس میں بنیادی تبدیلیاں کی جائیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس نظام نے اب تک جتنے افراد پیدا کیے ہیں، وہ علم و دانش کے لحاظ سے قابل لوگ تھے۔ اگر اس نظام میں کوئی کمی ہوتی تو یہ علماء اور فضلا کیسے پیدا ہوتے؟ سبھی علماء فقہا اسی نظام تعلیم سے پڑھ کر نکلے ہیں۔

جہاں تک اس نظام تعلیم میں ترمیم وتبدیلی کا سوال ہے، تو شریعت کی کلیات میں تو کسی بھی ترمیم وتنسیخ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم قرآن وحدیث کے کسی حصے کو تو حذف نہیں کر سکتے۔ اس کے لیے تو امکان صرف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جب ہم خدانخواستہ اسلام ہی کو چھوڑ دیں۔ صاف بات ہے کہ اگر کوئی شخص آج یہ کہتا ہے کہ موجودہ دور میں سود کی حرمت اور پانچ وقت کی نماز چلنے والی چیزیں نہیں ہیں، اور یہ کہ نماز پڑھنے سے دفتروں اور کارخانوں کے کام میں حرج ہوگا، تو ہم ان دلائل کی بنا پر نہ تو سود کو جائز قرار دے دیں گے اور نہ

ہی نماز کو ساقط کر دیں گے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

البتہ جہاں تک مدارس دینیہ میں پڑھائے جانے والے دیگر علوم کا تعلق ہے مثلاً فلسفہ، منطق اور کلام وغیرہ تو اس میں تبدیلی اور ترمیم و تنسیخ کی گنجائش موجود ہے لیکن اس کی جو صورت ہمارے لیے قابل قبول ہو گی وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی تمام حکومتوں کی سر پرستی میں جدید علوم کے چیدہ چیدہ ماہرین پر مشتمل ایک بورڈ قائم کیا جائے۔ یہ بورڈ جدید علوم فلسفہ، منطق، کلام اور علوم عمرانیات کا ایک خلاصہ تیار کرے۔ پھر دنیائے اسلام کے منتخب علماء مل کر ان جدید علوم کے ان پہلوؤں کا ابطال تیار کریں جو قرآن و سنت کی تعلیمات سے متصادم ہوں، اس طرح جو مجموعے مرتب ہوں انہیں دینی مدارس کے نصاب میں شامل کر لیا جائے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور کو خاص طور پر سامنے رکھا جائے۔

① تبدیل شدہ نصاب کو صرف اسی صورت میں درس نظامی میں شامل کیا جائے گا جب اس کے لیے اجتماعی کوشش کی جائے گی۔ بے شک انفرادی سطح پر ہمارے ہاں بہت قیمتی کوششیں ہوئی ہیں اور سوشلزم، سرمایہ داری اور اشتراکیت کی رد میں جو کتابیں اور رسائل لکھے گئے ہیں، ان سے ہمارے نوجوان طبقے نے استفادہ بھی کیا ہے، تاہم یہ ساری کوششیں چونکہ انفرادی تھیں اس لیے انہیں مدراس دینیہ کے نظام تعلیم میں شامل نہیں کیا جا سکا۔

② یہ کام صرف اسلامی حکومتوں کی سر پرستی ہی میں ہو سکتا ہے۔

③ تبدیل شدہ نصاب کے مجموعے مرتب کرتے وقت یہ بات پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ مخالفین اسلام کے اقوال و نظریات ہی کو جمع کر کے نہ پڑھایا جائے بلکہ ان کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث اور عقل کی روشنی میں ان کی رد اور ابطال بھی طلبہ کو پڑھایا جائے۔

④ اس کام میں جدید علوم کے ماہرین اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کا باہمی تعاون بے حد ضروری ہے۔

⑤ تبدیل شدہ نصاب کے مجموعے عربی زبان میں مرتب کیے جائیں۔

علوم عمرانیات کا شامل ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم خود چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور وسائل مہیا فرمائے تو ہم اپنے مدرسے میں علوم عمرانیات کو شامل کر لیں لیکن اصل مسئلہ وسائل اور اساتذہ کا ہے۔

اس سلسلے میں خود طلبہ کا رویہ بھی سامنے رکھنا چاہیے، طلبہ بھی نئے علوم نہیں پڑھنا چاہتے۔ وہ لکیر کے فقیر ہیں اور صرف پرانی کتابیں پڑھنا چاہتے ہیں۔ طلبہ جب چاہتے ہیں ایک مدرسہ چھوڑ کر دوسرے مدرسے چلے جاتے ہیں۔

حکومت کی مداخلت: اگر حکومت دینی مدارس میں مداخلت کرنا چاہتی ہے تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنے حسن نیت کا اعتبار اور ثبوت بہم پہنچائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اسے اصلاح کا اتنا ہی شوق ہے تو پہلے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نظام تعلیم کی اصلاح کا کام کیوں نہیں کرتی؟ اس سے اسے کون روک رہا ہے؟

دینی مدارس کے نظام تعلیم نے گذشتہ بارہ سو سال سے اسلام کو باقی رکھا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اب اگر اس کو بھی بدل دیا جائے جبکہ اس کی جگہ لینے کے لیے کوئی دوسرا نظام بھی موجود نہیں ہے تو کیا اس خطرناک نتائج پیدا نہ ہوں گے؟

درس نظامی میں قرآن وحدیث کا مطالعہ: آپ دیکھیں گے کہ مدارس دینیہ میں معاون علوم پانچ یا چھ سال میں پڑھائے جاتے ہیں۔ آخری دو سالوں میں قرآن وحدیث کی تعلیم دی جاتی ہے۔ فلسفے کی بڑی اور غیر ضروری کتابیں حذف کر دی گئی ہیں۔ ہم بھی منطق اور فلسفہ کے حصے کو کم کر رہے ہیں لیکن فلسفہ ومنطق کو بالکل ختم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کی عدم موجودگی سے طلبہ کی علمی اور ذہنی صلاحیتوں میں ضعف پیدا ہونے کا امکان ہے۔

طریق تعلیم اور دورِ جدید کے مسائل: آپ کی یہ رائے درست ہے کہ حدیث کی تعلیم کے دوران اکثر مدارس میں اصولی مسائل پر کم اور فروعی، اختلافی مسائل پر بحث زیادہ ہوتی ہے۔ آج سے چھ سو برس پہلے کا جو دور گزرا ہے۔ اس میں متعدد اختلافی بحثیں چھڑی ہوئی تھیں۔ ان اختلافی بحثوں کا اثر مدارس کی تعلیم پر بھی پڑا ہے۔ مجھے آپ کی اس بات سے اتفاق ہے کہ قرآن وحدیث کی تعلیم کے دوران اساتذہ کو موجودہ دور کے مسائل کو زیر بحث لانا چاہیے۔ جب تک کہ مذکورہ بالا تجویز کے مطابق کوئی مستقل نصاب نظریات باطلہ کی رد کے لیے رائج نہیں ہوتا اس وقت تک نظام تعلیم میں فروعی اختلافی مسائل سے توجہ ہٹا کر اصولی مسائل پر توجہ کی جائے۔ عالم اسلام کے مسائل، جدید دور کے حالات وکوائف اور معاشرتی اور اقتصادی امور بھی زیر بحث لائے جائیں تاکہ طلبہ میں دور جدید کے مسائل کا فہم اور شعور پیدا ہو سکے۔

دراصل درسِ نظامی کا مقصد ہی یہی ہے کہ طلبہ میں مطالعے کی ابتدا کرا دی جائے اور ان میں مطالعہ وتحقیق کا ذوق پیدا کر دیا جائے۔ درس نظامی سے فارغ ہونے والا طالبعلم عالم نہیں ہو جاتا جس طرح منطق پر دو تین کتابیں پڑھ کر کوئی شخص منطقی نہیں بن جاتا۔ درسِ نظامی تو طلبہ میں اس بات کی استعداد پیدا کرتا ہے کہ وہ مزید مطالعہ وتحقیق کے قابل ہو سکیں لیکن دیکھا گیا ہے کہ طلبہ میں مطالعے کے ذوق کی کمی ہے اور مطالعے سے گھبراتے ہیں۔

مدارس دینیہ میں پیشہ ورانہ تربیت: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس تعلیم کا مقصد معاش کمانا ہی نہیں۔ ہمارے ہاں

تصور یہ ہے کہ دین کو سیکھیں، اس پر عمل کریں اور اسکی اشاعت کریں نہ یہ کہ اس سے معاش کمانے کی کوشش کریں

تاہم آپ کی یہ بات درست ہے کہ موجودہ دور میں پیشہ وارانہ تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ دراصل پرانے زمانے میں توکل اور قناعت بہت تھی۔ علماء مساجد اور مدارس میں بغیر معاوضہ یا تنخواہ لیے، دین کی خدمت کرتے تھے، جوار کی سوکھی روٹی پر بھی خوش تھے۔ اب اس دور میں یہ جذبہ ناپید ہو رہا ہے۔ اب ضروری ہے کہ مدارس دینیہ کے طلبہ کو کچھ ایسے فنون سکھا دیے جائیں جن سے وہ آزادانہ طور پر اپنی روزی کما سکیں۔ ان فنون میں طب، خوشنویسی، درزی کا کام، جوتوں کی سلائی کا کام وغیرہ شامل کیے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں میرا عملی تجربہ یہ رہا ہے کہ جن لوگوں نے کوئی اور کام سیکھا ہے وہ پھر اسی کام کے ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کے اسکولوں اور کالجوں میں عربی اور اسلامیات پڑھانے پر بھی جو لوگ مامور ہوئے ہیں، ان کا عالم یہ ہے کہ اپنی تین تین چار چار سو روپے کی تنخواہوں میں مگن ہو کر دین کو بھول چکے ہیں۔

اسکولوں، کالجوں میں دینی تعلیم: حکومتی نظام کے تحت جو تعلیمی ادارے چل رہے ہیں ان میں صدق دل سے دین کی خدمت نہیں ہو رہی۔ ظاہر ہے کہ تین چار سورتوں کو یاد کر کے یا ان کا ترجمہ پڑھ کر دینی تعلیم کے سارے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے اس کے لیے علوم اسلامیہ سے کلی آگاہی ضروری ہے۔ کالجوں میں زیادہ سے زیادہ بچوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں اور یہ کہ نماز وغیرہ کیسے پڑھی جاتی ہے۔ لیکن اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہم اسلام کی بنیاد پر امریکہ، روس اور چین کے باطل نظریات کا مقابلہ کر سکیں تو اس کے لئے یہ بات کافی نہیں ہوگی، اس لیے کہ علوم اسلامیہ کا گہرا مطالعہ کرنا ہوگا۔

اجتہاد کی ضرورت، گنجائش: اجتہاد کا مسئلہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے۔ اگر اجتہاد کی کھلی اجازت دے دی جائے تو پھر آپ کو ہر گلی اور ہر محلے میں دس دس بیس بیس مجتہد ملیں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلامی احکام و شریعت کے متعلق تصادم و انتشار کی کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ یہ جو ہمارے اکابر نے کہا ہے کہ اجتہاد کا سلسلہ بند ہو چکا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب انفرادی رائے نہیں دی جائے گی۔

اب یہ مسائل پہلے زمانے میں پیش آ چکے ہیں اور قرآن و حدیث میں انکے متعلق فیصلہ دیا جا چکا ہے تو ان میں اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ جو نئے مسائل پیدا ہوئے ہیں، انہیں کسی قاعدہ اور اصول کے تحت حل کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اجتہاد کی شرائط کو کما حقہٗ پورا کر کے ان مسائل پر اجتہاد کیا جا سکتا ہے۔ بہتر صورت یہ ہوگی کہ چیدہ چیدہ علماء مل کر بیٹھیں اور زیر بحث مسئلہ کے مالہ و ماعلیہ پر غور کر کے کسی متفقہ فیصلے پر پہنچیں۔ اس اجتماعی کوشش میں یقیناً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی شامل ہوگی۔

مرتب: مولانا حافظ عرفان الحق اظہار حقانی*

عہد طالبعلمی میں مولانا سمیع الحق مدظلہ کے علمی منتخبات

ماخوذ از خودنوشت ڈائری ۱۹۵۸ء

قسط (۱۹)

عم محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم آٹھ نو سال کی نوعمری سے معمولات کی ڈائری لکھنے کے عادی تھے۔ ان ڈائریوں میں آپ اپنے ذاتی اور عظیم والد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے معمولات شب و روز اور اسفار کے علاوہ اعزہ و اقارب' اہل محلہ و گرد و پیش اور ملکی و بین الاقوامی سطح پر رونما ہونے والے احوال و واقعات درج فرماتے۔ آپکی اولین ڈائری ۱۹۴۹ء کی لکھی ہوئی ہے۔ جس سے آپ کا ذوق اور علمی شغف بچپن سے عیاں ہوتا ہے۔ احقر نے جب ان ڈائریوں پر سرسری نگاہ ڈالی گئی تو معلوم ہوا کہ جابجا دوران مطالعہ کوئی عجیب واقعہ' تحقیقی عبارت' علمی لطیفہ' مطلب خیز شعر' ادبی نکتہ' اور تاریخی تجوبہ آپ نے دیکھا تو اسے ڈائری میں محفوظ کرلیا۔ اس پر دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ مطالعہ کے اس نچوڑ اور سینکڑوں رسائل اور ہزارہا صفحات کے عطر کشید کو قارئین کے سامنے پیش کیا جائے جس سے آئندہ آنے والی نسلیں اور اسیران ذوق مطالعہ استفادہ کرسکیں۔ تاہم یہ واضح رہے کہ نہ تو یہ مستقل کوئی تالیف ہے اور نہ ہی شائع کرنے کے خیال سے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ اسلئے ان میں اسلوب کی یکسانیت اور موضوعاتی ربط پایا جانا ضروری نہیں............ (مرتب)

لاہور میں مسلک اہل حدیث کے علماء اور جامعہ اشرفیہ کے مولانا ضیاء الحق سے ملاقاتیں:

۶/مئی: ساڑھے سات بجے لاہور پہنچا ماہنامہ منہاج کے دفتر واقع بھاٹی گیٹ میں برادرم عزیز الرحمٰن حیدری سے ملاقات ہوئی۔ چائے کے بعد قدرے آرام کیا پھر شالیمار باغ دیکھنے گئے۔ ۲ بجے واپسی ہوئی مدرسہ تقویۃ الاسلام کا معائنہ کیا اور مسلک اہل حدیث کے مولوی عطاء اللہ حنیف اور مولانا داود غزنوی وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں' ظہر کے بعد نورافشاں نامی ہوٹل میں قیلولہ کیا اور پھر بعدالعصر شاہی جامع مسجد اور مزار اقبال پر حاضری ہوئی۔

جامعہ اشرفیہ میں مولانا ضیاء الحق صدر مدرس کے ہاں چائے اور شربت سے تواضع کی گئی ان کے ساتھ

---

* استاد جامعہ دارالعلوم حقانیہ

دیر تک مجلس رہی۔

جامعہ اشرفیہ کے بانی مفتی محمد حسن سے استفادہ اور ان کی شفقتیں:

۷رمئی: صبح سردار محمد خان نیازی سے بوساطت ڈی سی پشاور جناب نورالقمر ملنے ایجوکیشن سیکرٹریٹ گیا' وہ نہ ملے پھر وہاں لارنس گارڈن (باغ جناح' چڑیا گھر) کی سرسری سیر کی۔ پھر ویزہ آفس گیا' فارم پُر کرنے پر معلوم ہوا کہ فارم جمع کرنے کا وقت ختم ہو چکا ہے۔ ۹ بجے تک فارم لئے جاتے ہیں۔ مفتی محمد حسن صاحب سے ۳ بجے ملاقات ہوئی۔ بڑی شفقت اور خلوص ومحبت کا اظہار فرمایا اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا کر ہنسی مذاق بھی کیا پھر قرآن پاک کی چند آیات کا مطلب وتفسیر احقر اور اپنے صاحبزادہ ولی اللہ کو سمجھایا' ملفوظات تھانوی سننے کی سعادت بھی ۵ بجے تک حاصل کی' پھر مفتی صاحب نے اپنے لڑکوں کو بلا کر میرے ویزے کے امور نمٹانے اور معاونت کرنے کی ہدایات دیں۔ مفتی صاحب کل صبح سویرے ایبٹ آباد جائیں گے' لہٰذا ان سے رخصت لی انہوں نے مجھے حضرت تھانوی کے ملفوظات اور رسائل کا ۲۵ کتابوں کا سیٹ تحفتاً عنایت فرمایا۔

مولانا عبدالرحمٰن اشرفی اور مولانا عبیداللہ کی رفاقتیں:

جامعہ اشرفیہ گیا مولوی عبدالرحمٰن کو سردار محمد خان نیازی وزیر صحت سے سفارش کرنی تھی' لیکن وہ لیٹ آئے اس لئے وہ نکل گئے تھے۔

شام کے بعد مولوی عبدالرحمٰن نے مجھے جامعہ کے نئی تعمیرات واقع مسلم ٹاؤن دکھلائے' بہترین بڑی لمبی چوڑی عمارتیں ہیں' جامع مسجد اور درسگاہیں اس وقت زیر تکمیل ہیں رات کو بھاٹی دروازہ کے آس پاس تفریح کی اور جناب سید نور بادشاہ اور برادرم سعید الرحمٰن کے نام خطوط لکھے۔

۹رمئی: گلبرگ میں آج پتہ چلا کہ ڈاکٹر خان صاحب' وزیر اعلیٰ ون یونٹ مغربی پاکستان کو صبح قتل کردیا گیا ہے۔ جامعہ اشرفیہ میں کچھ دیر تک مولانا عبید اللہ اور مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے ساتھ ٹھہرا پھر جامعہ اشرفیہ کے ایک طالب علم غلام حسین جو ہر مردانی کی معیت میں مولانا ابومحمد سے ملنے گئے۔ ان سے ملاقات خوب رہی' کھانا وہیں کھایا موصوف نے ویزہ کے حصول میں تعاون کرنے کا وعدہ کیا' نماز جمعہ نیلا گنبد میں مولوی گل محمد صاحب کی امامت میں پڑھی ظہر کے بعد صاحبزادہ عبدالرحمٰن کے گھر میں رکا پھر کاشانہ ، ادب انارکلی میں مولوی محمد حسن دوکاندار جن کا تعلق وہی سے ہے نورالحق دامانی کے ہاں گیا' مختلف موضوعات پر گفتگو ہوئی۔ شام کو میں صوفی صاحب (جو اکوڑہ خٹک کے ایک روحانی پیر ہیں) کی دعوت میں بھاٹی گیٹ گئے۔ جمعیت علماء اسلام کے دفتر میں مولانا مجاہد الحسینی مولانا تاج الدین انصاری' اور مولانا غلام غوث ہزاروی سے بعض احباب کی معیت میں ملاقاتیں ہوئیں۔

۱۰ر مئی: صوفی صاحب آف اکوڑہ خٹک کی دعوت چائے پر سلطان جان ایڈوکیٹ کے ہاں کشمیری گیٹ گیا۔

شیخ التفسیر حضرت لاہوری کی مجلس میں شرکت اور تصدیق نامہ لینا:

مولانا احمد علی لاہوری مدظلہ سے ملنے گیا کچھ دیر تک ان کی مجلس میں رہا' انہوں نے تصدیق نامہ لکھ کر دیا پھر فضلاء حقانیہ جو کہ حضرت لاہوری کے ساتھ شریک دورہ تفسیر ہیں سے ملاقات کی' ان کے کمرہ میں آرام بھی کیا۔ جامع مسجد وزیر خان بھی دیکھنے گیا۔

سردار محمد خان نیازی وزیر صحت سے ملاقات:

دفتر منہاج سے فون پر جناب سردار محمد خان نیازی سے رابطہ کیا اور ان کے گھر واقع بالمقابل گورنمنٹ ہاؤس پہنچا' انہوں نے شیخ حسام الدین کے ذریعہ گفتگو اور کام کرنے کا وعدہ کیا۔ شام کی نماز داتا گنج بخش کی مسجد میں پڑھی۔

شاہ عبدالقادر رائے پوری سے ملاقات:

۱۲ر مئی: صبح صوفی عبدالحمید کی کوٹھی (بنگلہ) میں سیدنا شیخ عبدالقادر رائے پوری سے ملنے کی سعادت حاصل ہوئی' بڑی محبت اور شفقت سے گفتگو فرمائی۔ میں دارالعلوم اور اپنے لئے دعا کی درخواست کی۔ دیوبند جانے کی صبر آزما تگ ودو کا سن کر ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہندوؤں کی منتیں سماجتیں کرتے دھکے کھاؤ گے اور اب یہاں اور وہاں کا قصہ برابر ہے۔ یہاں پڑھاؤ اور خوب پڑھاؤ اور آگے بڑھتے جاؤ' اتنے آگے بڑھو کہ بہت بڑے عالم بن جاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ وہاں تبرکا جانا چاہتا ہوں' فرمایا کہ خود بزرگ بن جاؤ کہ لوگ کہیں کہ سمیع الحق کے پاس تبرک کے لئے جاتے ہیں۔ ہنسی مذاق فرماتے رہے' کافی نصیحت کی' پھر میں نے دین کا خادم بننے کی دعا کی درخواست کی تو فرمایا کہ محنت کرو اور خوب پڑھاؤ' تب دین کے خادم بنو گے۔ اب جبکہ اکثر کتابیں پڑھ لی ہیں تو چاہیئے کہ اپنے والد صاحب کی نگرانی میں پڑھاؤ' پھر دارالعلوم کے متعلق گفتگو فرمائی' ہمارے آبائی اور خاندانی پس منظر وغیرہ کا پوچھا اور پھر کہا کہ ایک ہی قصبہ میں دو مدرسے کیوں بنا رکھے ہیں۔ یہ بھی کہا کہ تم تو خود بڑے بزرگ لوگ ہو کیوں مارے مارے پھرتے ہو' عجیب بھولے بھالے آدمی ہو' میں نے حضرت مدنی صاحب کا تذکرہ کیا کہ وہ ہمارے علمی مرکز اور محور عقیدت ہیں ان کا مرقد وہاں ہے اس پر حاضری کا شوق دامن گیر ہے۔

مولانا مودودی' مولانا داؤد غزنوی اور مولانا عبدالحکیم صاحب سے مجلس:

۱۳ر مئی: صبح ویزہ آفس گیا' چتر ویدی نے کھرانا کے نام خط دیا' لیکن وہ ویزہ آفس میں نہ ملے' لہٰذا پھر دفتر منہاج آیا وہاں آرام کیا۔ پھر اچھرہ میں عزیز الرحمٰن اور ابراہیم صاحب (جو اس وقت منصورہ کے مرکزی دفتر کے اہم امور کے انچارج ہیں) کی معیت میں مولانا مودودی سے ملے' ان سے مختصر گفتگو کی' مدرسہ تقویۃ الاسلام میں

مولانا داؤد غزنوی سے بھی ملاقات ہوئی۔ عزیز الرحمٰن صاحب کے والد مولانا عبدالحکیم کے ساتھ بڑی موثر اور کارآمد مجلس ہوئی انہوں نے مولانا سیف الرحمٰن فتح پوری کا تذکرہ کیا اور بہت روئے کہا کہ وہ میرے مشفق استاد تھے' وجدته بحراً فی العلوم ۔ کھانا ابراہیم صاحب کے ہاں کھایا۔ شام کو عزیز الرحمٰن صاحب کے والد مولانا عبدالحکیم حیدر چھچھ واپس ہوئے ہم ان کے ساتھ سٹیشن گئے' لاہور سٹیشن کی سیر کی۔

تحصیل ویزہ: ہندکی تگ و دو اور مولانا رسول خان کے درس میں شرکت

۱۴/مئی صبح عزیز کے ساتھ ویزہ آفس گیا' چتر ویدی سے ملا پتہ چلا کھرانا صاحب کی تبدیلی ہوئی ہے۔ سردار محمد خان نیازی سے ملا' انہوں نے والٹن ہوائی اڈہ حمید کو فون کیا' وہ جمعہ کے روز آگے کہیں گئے' اس کے بعد پاکستان ٹائمز کے منیجر خواجہ عزیز الرحمٰن سے ملا۔ انہوں نے ہائی کمشنر بھارت کے نام (سفارشی) رقعہ دینے کا وعدہ کیا پھر مسجد نیلا گنبد مولانا خیر اللہ سے ملنے گیا' کچھ دیر جامعہ اشرفیہ میں محدث عصر مولانا رسول خان ہزاروی کے درس ترمذی میں شرکت کی۔ جہاں عزیز الرحمان صاحب کے دوست رہتے ہیں' علامہ مشرقی کا مکان دیکھنے اچھرہ گیا۔ جماعت اسلامی کے مرکزی مکتبہ میں ایک گھنٹہ گزارا۔ شام کے بعد میجسٹک ہوٹل میں مولانا حنیف اللہ ندوی اور مولانا اسحاق بھٹی کے ساتھ دو گھنٹہ تک گفتگو رہی۔ رات مولانا اسحاق کے ہاں گزاری۔ (مولانا اسحاق اس وقت عظیم مورخ مصنف ہیں)

۱۶/مئی: ہوائی اڈہ والٹن گئے۔ زیداے خان کھروانا سے فون پر رابطہ کیا اور خط بھی دیا۔ وہاں سے پاکستان ٹائمز کے دفتر گئے تھے۔ دو بجے تک ان کے انتظار میں بیٹھا رہا لیکن نہ مل سکے۔ آج شام کو ان شاء اللہ واپسی کا ارادہ ہے۔ ساڑھے سات بجے شام کو اسٹیشن آیا' عزیز اور مولوی تاج الرحیم دیروی رخصتی کے لئے اسٹیشن تک ساتھ آئے۔ رات کو ٹرین میں مولانا بھاشائیؒ سے ملاقات ہوئی۔ جو ڈاکٹر خان کی تعزیت کیلئے جارہے تھے۔ فی الحال مقصد تحصیل ویزہ میں برضائے خداوندی کامیابی نہ ہوسکی' کاغذات اور پاسپورٹ عزیز الرحمٰن صاحب کو چھوڑ دیئے۔ ان شاء اللہ وہ جدوجہد کرکے مجھے مطلع کردیں گے۔ امید ہے کامیابی ہوگی۔ وماذالک علی اللہ لعزیز

مولانا عبدالغفور عباسی محبت وشفقت ونصائح سے بھرپور خط

۲۸/مئی: سیدی ومرشدی حضرت الشیخ مولانا عبدالغفور مدنی کے مکتوبات گرامی مدینہ منورہ سے حضرت والد ماجد اور اس سراپا گناہ وتقصیر کے نام شرف صدور ہوئے۔ یہ مکتوب مبارک بصیرت وحکمت' نصیحت اور معرفت وحرز جاں ہدایت اور توجہات خصوصی پر مشتمل ہے۔ فالحمد لله علی ذالك یہ خط دو ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ کو مدینہ منورہ سے لکھا گیا۔ حضرت مرشدی کے مکتوب مقدس کے چند جملے سعادت وتبرک واستشہاد للآ خرۃ وذخیرہ عقبیٰ کے طور پر لکھتا

ہوں تا کہ کاغذی سطح پر بھی محفوظ رہے۔

''برخوردار یہ دنیا فانی ہے' حیات مستعار ہے' زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں' لہٰذا جہاں تک ہوسکے علم کے حصول میں کوشش کرو۔ اوران علوم کو زیادہ توجہ دو جو نہایت اہم ہیں۔ علم حدیث وتفسیر وفقہ اہم علوم میں سے ہیں۔ اور حفاظتِ دین کے ذرائع ہیں' جس کتاب کا بھی مطالعہ کرو' مطالعہ سے پہلے اول وآخر تین تین دفعہ اللھم نور بالعلم قلبی واستعمل بطاعتك بدنی پڑھا کرو۔ان شاء اللہ ذہن کھل جائے گا اور انشراح صدر کے لئے نماز عصر کے بعد سورۃ الم نشرح سات مرتبہ پڑھا کرو' اس کے پڑھنے سے شرح صدر حاصل ہوگا۔ ذکر قلبی کی مداومت کرو اگر چہ تھوڑا ہو اور رابطہ محبت اس فقیر کے ساتھ قائم رکھو۔ ...... چونکہ آپ سے فقیر کا قلبی تعلق ہے اور دل چاہتا ہے کہ آپ حضرت مولانا کے صحیح جانشین اور خلف صالح بن جائے' اللہ تعالیٰ آپ کو علم نافع ظاہر و باطن کا نصیب فرماوے۔ اور والدین کا سچا خادم اور مطیع بنادے۔ اس لئے یہ چند باتیں لکھ دی ہیں اور فقیر بھی خلوص دل سے دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے دل کو ذکر کے انوار سے منور فرمادے اور وساوس وخطرات کو دور کردے۔ جب وساوس کا غلبہ ہو تو لاحول ولاقوۃ الا باللہ کثرت سے پڑھا کریں۔''

۲۹ مئی: جناب مولانا عبدالعظیم صاحب آج حج بیت اللہ کیلئے روانہ ہوئے۔ بندہ بھی اٹک تک ان کیساتھ گاڑی میں گیا۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب کو دستی جواب بھی بذریعہ عبدالعظیم صاحب ارسال کیا۔ واپسی پر رات جہانگیرہ میں گزاری۔ عبیدالرحمٰن اشفاق اور عبدالقوی کے ساتھ رات کو گفتگو ومجلس رہی۔ مولانا شیر علی شاہ بھی ساتھ تھے۔

عاشق رسولؐ مولانا الحاج محمد امین صاحب کا سانحہ ارتحال:

۳۱ مئی: مجاہد اسلام شیخ طریقت جانشین حاجی صاحب ترنگزئی مولانا الحاج محمد امین صاحب آف عمرزئی انتقال فرماگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۴ بجے سپرد خاک کئے گئے حضرت والد صاحب ودیگر علماء کرام نے جنازہ میں شرکت کی۔

☆ الجمعیۃ دہلی کو ششماہی چندہ بیس روپے الفرقان کو سالانہ چھ روپے ارسال کئے۔ عزیز الرحمٰن حیدری اور مدیر خدام الدین کو خطوط لکھ کر بھیج لکھے۔

☆ مولانا سعدالدین کا مکتوب بسلسلہ دعوت برائے میرہ موصول ہوا۔

حسرت محرومی زیارت مرکز علم دارالعلوم دیوبند ومرقد حضرت مدنیؒ:

حضرت شیخ مدنی ؒ کے مدفن و مسکن اور حضرات اکابر کے توجہات کے مرکز ومنشاء کمالات دارالعلوم دیوبند سے اب تک محروم رہنے پر دل بے قرار اور غیر مطمئن و پریشان ہے، بارگاہ الٰہی میں بصد عجز واعتراف تقصیر عرض کرتا رہتا ہوں کہ اس کعبہ علم ومرکز ارادات میں قیام کے لئے کوئی صورت نکال دے۔ وما ذالك على الله بعزيز

حضرت شیخ کے انوار وبرکات سے اس سیاہ کار بھی مستفید کردے۔ حضرت شیخ قدس سرہ العزیز کے وصال اور اس آفتاب عالم تاب کے روپوش ہونے کو بھی چھ ماہ ہوئے۔ لیکن خدام اور عشاق کے لئے اب تک ذکر و مذاکرہ موجب اطمینان ودل وجان بقول مولانا نجم الدین اصلاحی حضرت کے متوسلین کی حالت یہی رہتی ہے۔

یہی کہہ کہہ کے ایک بیمار غم روتا ہے راتوں کو
کہ جب سے تم گئے ہو دل کی ویرانی نہیں جاتی

مطالعة "كاروان خيال"

يشتمل على المكتوبات الشريفة السنية البهية الزاهرةالخالدة بين الامام محى الدين ابى الكلام وصديقه المخلص المكرم النواب حبيب الرحمن خان الشروانى ؒ

ع مضت الدهور وما اتين بمثلهم ونصرانى فعجزن عن نظراء ء

کاروان خیال کے بعض چیدہ چیدہ اشعار جوان دونوں زعماء کے منتخبات ہیں۔ یہاں زیب بیاض کئے جاتے ہیں، کسی نے کتاب کے مقدمہ میں کیا خوب عنوان باندھا۔

ے علم را آں زباں نبود کہ سرّ عشق گوید باز
برون از حدتقریر است شرح آرزو مندی

ے زخیل درد کشاں غیر ماثماند کسے
بیار بادہ کہ ماہم غنیمتیم بسے

ے گرچہ دور یم بیاد تو قدح می نوشیم
بعد منزل نہ بود در سفر روحانی

ع دل کی آرزومندیوں کو صفحوں پر بکھیر رہا ہوں

ے درہیچ نسخہ لفظ امید نیست
دبنگ نامہ ہائے تمنا نوشتہ ایم
(آزاد)

کرامات اولیاء
(قرآن وسنت کی روشنی میں)

نحمدہٗ و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔قال اللہ جل جلاله فی القرآن المجید اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (سورۃ یونس ۶۳۔۶۲)

''آگاہ رہو کہ جو اللہ کے دوست ہیں' انہیں نہ غم ہے اور نہ خوف اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرے' انہیں دنیا و آخرت میں خوشخبری ہے۔''

رویائے صالحہ:

وقال رسول اللہ ﷺ لم یبق من النبوۃ الاالمبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصالحۃ یراھا المومن اوتُرالہ (رواہ)

''نبوت (کے ذریعہ) کوئی بات باقی نہیں رہی مگر خوشخبریاں' صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یہ خوشخبریاں کیا ہیں؟ (آنحضرت ﷺ نے) فرمایا یہ نیک خواب ہیں جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے بارہ میں دیکھا جاتا ہے''

محترم سامعین! گزشتہ جمعے کو میں نے اس آیت کے ضمن میں تفصیلی بات کی تھی' کہ حقیقی ولی کون ہوتا ہے' ان کے اوصاف' کمالات' خصائل و شمائل کیسے ہوتے ہیں' اب ان شاء اللہ مختصراً کرامات کے ثبوت پر قرآن وحدیث کی روشنی میں کچھ ذکر کروں گا۔

کرامات اولیاء اور قرآن

سب سے پہلے چند آیات واحادیث کا ذکر کرنا ہے جن سے کرامت و ولایت کا ثبوت ہوتا ہے۔رب ذوالجلال کا قرآن مجید میں ایک جگہ فرمان ہے: يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ حضرت زکریا علیہ السلام نے بے موسم کے پھل حضرت مریم کے کمرے میں دیکھے' پوچھا کہ یہ غیر موسمی پھل کہاں سے آئے؟ حالانکہ

اس وقت وہ چھوٹی بچی تھیں، فرمایا: ھو من عنداللہ "یہ تو اللہ کی طرف سے اعزاز و اکرام ہے"
علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضرت مریمؑ کی کرامت تھی جس کا اثبات اس آیت کریمہ سے ہوا۔

بچے کی کرامت:

دوسری جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاکدامنی کے بارہ میں گواہی بچے کی کرامت ہے کہ اس نے زمانہ طفولیت میں پنگھوڑے سے یہ گواہی دی۔

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (سورۃ یوسف)

فرمایا حضرت یوسفؑ کی قمیص کو دیکھا جائے، آگے کی طرف پھٹا ہوا ہے یا پیچھے کی طرف سے، یہ خرق عادت بات اس چھوٹے بچے سے صادر ہوئی، لوگ انگشت بدنداں ہو گئے اور اللہ نے حضرت یوسفؑ کی بے گناہی اس چھوٹے بچے کے ذریعے ثابت فرمادی۔

کراماتِ صحابہؓ:

اسی طرح احادیث مبارکہ میں صحابہ کرامؓ کی بے شمار کرامات مذکور ہیں۔ ایک روایت میں حضرت انسؓ دو صحابہ کا نادر الوقوع واقعہ ذکر کر رہے ہیں۔

عن انسؓ ان اسید بن حضیر وعباد بن بشر تحدثا عندالنبی ﷺ فی حاجة لهما حتی ذهب ساعة من اللیل ساعة فی لیلة شدیدة الظلمة، ثم خرجا من عند رسول الله ﷺ ینقلبان وبید کل واحدة منهما عصیه فاضاء ت عصا احدهما لهما حتی مشیا فی ضوء ها حتی اذا افترقت بهما الطریق اضاء ت للاخر عصاه فمشیٰ کل واحد منهما فی ضوء عصاه حتی بلغ اهله (رواه البخاری)

حضرت انسؓ بیان کر رہے ہیں کہ ایک دن دو جلیل القدر صحابی حضرت اسید بن حضیر اور حضرت عباد ابن بشر نبی کریمؐ کی خدمت میں اپنے کسی اہم معاملہ کے سلسلہ میں کافی دیر بیٹھے رہے۔ اس (گفتگو) کا سلسلہ کافی رات گئے تک جاری رہا جبکہ وہ رات نہایت تاریک تھی۔ جب یہ دونوں صحابہؓ اپنے گھروں کو واپسی کیلئے نکلے تو اس وقت دونوں کے ہاتھوں میں چھوٹی سی لاٹھیاں تھیں، ان دونوں میں سے ایک کی لاٹھی اچانک (ٹارچ) کی طرح روشن ہوئی اس کی روشنی میں وہ چلتے رہے، یہاں تک جب دونوں کے راستے الگ

ہوئے (ہر ایک کا گھر الگ الگ راستے میں تھا) دوسرے کی لاٹھی بھی روشن ہوئی اور پھر وہ دونوں اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی چل کر اپنے اہل وعیال یعنی گھروں کو پہونچ گئے اس واقعہ سے ان دونوں صحابہؓ کے خارق عادت فعل کا صدور کرامت ہی کی وجہ سے تھا۔

غسل جسدِ اطہر اور کرامت صحابہؓ

آنحضرت کا دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کے جسد اطہر کو غسل دینے کا واقعہ اور غسل دینے والوں کی رہنمائی کرامت ہی کی وجہ سے ہوئی:

عن عائشةؓ قالت لما ارادوا غسل النبی ﷺ قالوا لاندری انجرد رسول الله ﷺ من ثیابه كما نجرّد موتانا ام نغسلُه وعلیه ثیابه فلما اختلفوا القی الله علیهم النوم حتی ما منهم رجل الا و ذقنه فی صدره ثم كلمهم مكلم من ناحیة البیت لایدرون من هو اغسلوا النبی صلی الله علیه وسلم وعلیه ثیابه فقاموا فغسلوه وعلیه قمیصه' یصبون الماء فوق القمیص ویدلكونه بالقمیص (رواه البیهقی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (وفات کے بعد) جب آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کو غسل دینے کا ارادہ کیا گیا تو وہاں موجود صحابہؓ کے درمیان یہ سوال اٹھا کہ آنحضرت ﷺ کے کپڑے اس طرح اتار دیئے جائیں جس طرح ہم اپنے مردوں کے کپڑے اتار دیتے ہیں' یا آپ کو (آپ کی خصوصیات واہمیت کے پیش نظر) کپڑوں ہی کے اندر غسل دیدیا جائے۔اس بارہ میں جب صحابہ کرامؓ میں اختلاف رائے پیدا ہوا(کچھ ساتھیوں نے کپڑے اتار کر غسل دینے کا کہا اور کچھ حضرات نے جسد اطہر کو برہنہ کرکے غسل دینے کی مخالفت کی اتفاق نہ ہوسکا) اللہ تعالیٰ نے اچانک ان سب پر نیند کو مسلط کردیا حتیٰ کہ کوئی شخص وہاں ایسا نہ رہا جس کی ٹھوڑی اس کے سینہ پر نہ آگئی ہو (آپ حضرات کو علم ہے کہ نیند کی حالت میں ایسی حالت ہر انسان پر طاری ہوتی ہے) پھر ان لوگوں نے گھر کے ایک کونے سے کسی ایسے بولنے والے کی آواز سنی جس کو وہ سب لوگ جانتے ہی نہیں تھے' وہ آواز دے رہا تھا حضور اکرم ﷺ کو کپڑوں کے اندر ہی غسل دو۔ چنانچہ وہ سب لوگ بیدار ہوکر آپ کے جسم مبارک کو کپڑوں ہی کے اندر اس طرح غسل دیا کہ اس وقت جسد مبارک پر جو کرتہ تھا اسی پر پانی ڈالتے رہے اور کرتہ مبارک کے اوپر بدن اقدس کو ملتے

رہے۔ آنحضرت ﷺ کو غسل دینے کا طریقہ ان کے اس کرامت کے ذریعہ معلوم ہوا۔

حضرت سفینہ کی کرامت:

محترم حاضرین! آنحضرت ﷺ پر قربان ہونے والے ان کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ جن کا نام سفینہ جو کہ کشتی کو کہتے ہیں نہ تھا بلکہ لقب تھا اور علماء کے نزدیک یہ لقب اس وجہ سے دیا گیا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک سفر کے موقع پر بہت سا سامان اپنے اوپر لادے ہوئے تھے' پھر بھی شرکائے سفر میں جو صاحب سامان اٹھانے سے تھک جاتا تھا وہ اپنا سامان بھی ان پر لاد دیتا تھا۔ وہ نہایت اطمینان اور خوشی سے سب کا سامان اپنے اوپر لادتے جارہے تھے' حضور اکرم ﷺ نے اس کو اس حال میں دیکھ کر از راہ مذاق فرمایا "انت السفینہ" حضور کا یہ فرمان تھا کہ وہ اس ہی لقب سے مشہور ہیں ان کی کرامت جو واقعہ ذکر کر رہا ہوں اس سے عیاں ہو جاتی ہے:

وعن ابن المنكدر ان سفينة مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم اخطأ الجيش بارض الروم اوأسر فانطلق هاربا يلتمس الجيش فاذاهو بالاسد فقال يا ابا الحارث انا مولى رسول الله كان من امرى كيت وكيت فاقبل الاسد له بصبصة حتى قام الى جنبه كلما سمع صوتا اهوى اليه ثم اقبل يمشى الى جنبه حتى بلغ الجيش ثم رجع الاسد (رواه فى شرح السنه)

"حضرت ابن المنکدرؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے آزادہ کردہ غلام حضرت سفینہؓ روم کے علاقہ میں لشکر کا راستہ بھول گئے یا دشمن کے ہاتھوں قید کر لئے گئے دشمن کے قید سے بھاگ کر اپنے لشکر کی تلاش شروع کردی (حیران و پریشان کھڑے تھے) کہ اس دوران ان کا آمنا سامنا جنگل کے ایک شیر سے ہوا۔ حضرت سفینہ نے نہ صرف اپنے اوسان کو کنٹرول کیا بلکہ شیر کو اس کی کنیت سے پکار کر کہنے لگے (اے ابوحارث) میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام ہوں اور میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ مجھ سے راستہ گم گیا (پوری تفصیل شیر کو بتادی) کہ اب اپنے قافلہ کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ شیر یہ سنتے ہی ایک فرمانبردار جانور کی طرح اس کے پہلو میں آکر کھڑا ہوگیا۔ اور پھر کسی جانب سے ایک خطرناک درندے کی آواز آتی تو شیر اس جانور کو بھگانے کے لئے اسی کی طرف لپک کر دوبارہ (حضرت سفینہؓ کی حفاظت کیلئے) واپس آجاتا۔ اسی طرح حضرت سفینہؓ کے سفر کے دوران یہ شیر رہبر کی حیثیت سے اس کی حفاظت کے لئے اس کے

ساتھ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت سفینہؓ اپنے لشکر سے مل گئے۔ تب یہ شیر واپس ہوا۔"

میرے دوستو! حضرت سفینہؓ کا یہ واقعہ اور کرامت پوری امت کو للکار رہا ہے کہ اگر تم حقیقی طور پر اللہ اور رسولؐ کے غلام بن گئے تو تمہارا یہ انحطاط، ذلت و پستی، طاقتور غیر مسلم قوتوں سے خوف اور غربت ختم ہو کر سمندر، اور خشکی تو کیا کہ اس میں رہنے والے خوفناک جانور بھی تمہارے لئے مسخر ہو جائیں گے اور حفاظت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سمندر اور خطرناک جانوروں سے بھرے جنگل بھی مسلمانوں کے فرمانبردار بن کر ان کے ہموا اور ان کے راستوں میں پیدا ہونے والی رکاوٹوں کے راستوں میں سدِ سکندری بن کر ان کے مددمعاون بن جاتے۔ اپنی اسلامی تاریخ اور کتب سے آپ استفادہ کریں تو آپ کو اپنی ذلت و پریشانیوں پر حیرانی کا سامنا کرنا پڑے گا' کہ کاش ہم نے جو غیر اسلامی راہوں کو اپنی فلاح و بہبود کے لئے اختیار کرنے کے بجائے حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی کرامات اور اسوہ مبارکہ سے سبق حاصل کرتے تو 'من کان للہ کان اللہ لہ" کا مصداق بن کر آج پورے دنیا پر کروڑوں مسلمانوں کا غلبہ ہوتا۔ اس بارے میں تاریخ بے شمار واقعات سے بھری پڑی ہے' آج کا میرا یہ موضوع نہیں۔ ان شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر ہم سب کی عبرت کے لئے چند واقعات عرض کروں گا آج تو کرامات کا ذکر ہو رہا ہے اس ضمن میں حضرت سفینہؓ کی کرامت ذکر کر دی۔

یاساریۃ الجبل:

محترم حضرات! ایک حدیث میں حضرت عمرؓ کا ذکر ہے کہ انہوں نے سینکڑوں میل دور حضرت ساریہؓ کی سرپرستی میں ایران کے صوبہ ہمدان کے جنوب میں واقع نہاوند مقام کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ وہاں جہاد جاری تھا کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ خطبہ کے دوران جہاں اکابر صحابہ کرامؓ موجود تھے' اُن میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے علاوہ کبار تابعین موجود تھے دوران خطبہ حضرت عمرؓ نے زور زور سے پکارنا شروع کر دیا "اے ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ" ایک روایت میں ہے کہ جب لوگوں نے حضرت عمرؓ کو اس طرح پکارتے ہوئے سنا تو ان سے دریافت کیا کہ ساریہ تو سینکڑوں میل دور ہے' آپ ان کو کیوں پکار رہے ہیں' انہوں نے جواب دیا کہ میں نے دیکھا کہ مسلمان جنگ میں مصروف ہیں ان کیلئے پہاڑ کو اپنی پشت پناہ لینا ضروری ہے تو بے اختیار میرے منہ سے یہ الفاظ نکل پڑے۔ حضرت ساریہ کا قاصد ان کا خط لے کر پہونچا تو اس خط میں اسی روز یعنی خطبہ کے وقت اس واقعہ کا ذکر تھا' اور عرض کیا یا امیر المومنین ہمارے دشمن نے ہم پر حملہ کیا اور ہمیں شکست دی اچانک ہم نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا "اے ساریہ پہاڑ کی جانب" چنانچہ ہم نے پہاڑ کو اپنی پناہ گاہ قرار دیا اور پھر خداوند جل جلالہ نے دشمن کو شکست دی۔

شانِ عمر فاروقؓ

یہی کرامت حضرت عمرؓ کی ہے کیونکہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کسی نبی کے کسی متبع کامل سے صادر ہو جو عادت و قانون سے خارج ہو' پھر حضرت عمرؓ سے زیادہ آنحضرت ﷺ کے متبع کون تھے جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: لو کان بعدی نبیاً لکان عمر' یعنی اگر میرے بعد کسی نبی کا آنا ہوتا تو وہ حضرت عمر ہوتے۔ الغرض صحابہ کرام' تابعین اوران کے بعد کے دور کے اولیاء اللہ سے جو کرامات صادر ہوئیں ان کے بارے میں روایات تسلسل سے منقول ہو کر حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اسی وجہ سے اس بارہ میں کسی شک و شبہ اور انکار کی جرات کسی کو نہیں ہو سکتی۔

کراماتِ اولیاء:

معزز سامعین! صرف دو چار اکابر اولیاء کرام کی کرامات کا ذکر ''مشت نمونہ خروار'' کے طور پر کر رہا ہوں۔ شیخ ابراہیم بلخی بن ادھم بادشاہ ہونے کے ساتھ مشہور عابد زاھد و بزرگ تھے' امام اعظم ابوحنیفہؒ سے علم فقہ حاصل کی۔ بلخ کے بادشاہ تھے' ایک لطیفہ غیبی کی وجہ سے تاج و تخت چھوڑ کر شام میں سکونت اختیار کرلی آپ کے زیر تسلط بہت وسیع علاقہ تھا اور جب سفر کرتے تو اس کے آگے پیچھے سونے کی چالیس ڈھالیں اور چالیس سونے کے گرز خدام اور عملہ لے کر چلتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے شاہی محل میں محوخواب تھے کہ چھت پر کسی کی آہٹ محسوس ہوئی آواز دے کر کہا کہ چھت پر کون ہے؟ جواب ملا۔ ''میرا اونٹ گم گیا ہے' تلاش کر رہا ہوں۔'' آپ نے فرمایا: ''اے نادان چھت پر اونٹ کا کیا کام ہے۔'' اس شخص نے جواب دیا: ''اے غافل تو خدا کو اطلسی لباس اور شاہی تخت پر ڈھونڈتا ہے۔ آپ کی یہ خواہش میرے اونٹ کی یہاں تلاش کرنے سے زیادہ تعجب کی نہیں۔'' آپ یہ آواز سن کر بے حد متاثر و حیران ہوئے۔ صبح دربار عام جاری تھا کہ اچانک ایک پروقار شخص دربار میں داخل ہوا۔ رعب و دبدبے کی وجہ سے اس اجنبی کو کوئی نہ روک سکا داخل ہو کر کہنے لگا: ''یہ محل مجھے پسند نہیں۔'' بادشاہ نے کہا: ''یہ محل تو میرا ہے'' اجنبی نے پوچھا: ''آپ سے پہلے کس کی ملکیت میں رہا؟'' اس نے کہا: ''میرے باپ کے پاس رہا''۔ اس کے مسلسل اسی سوال پر کہ ''پھر کس کے پاس رہا'' تو بادشاہ نے دادا اور اسکے بعد پردادا کا ذکر کیا۔ اجنبی نے کہا کہ ''پھر تو یہ سرائے نہ رہا تو کیا رہا؟ بادشاہ سلامت خود ہی سوچ لو سرائے تو اسی کو کہتے ہیں کہ لوگ آئیں اور اپنا مقصد پورا کر کے چلیں جائیں۔'' اجنبی یہ باتیں کر کے چلا گیا۔ بادشاہ اس کے پیچھے دوڑے' اس سے ملاقات کے بعد پوچھا: ''بتاؤ تم کون ہو؟'' جواب دیا: ''میں حضرت خضر علیہ السلام''۔ ابراہیم بن ادھم کے دل پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ بادشاہت چھوڑ کر نو برس ایک غار میں سکونت اختیار کر کے مجاہدے اور ریاضت کر کے آسمان ولایت کے درخشندہ ستارے بن کر

چکے۔

میری سوئی واپس کردو:

ایک دن دریا کے کنارے بیٹھے اپنی قمیص سی رہے تھے ایک امیر کا گزر ہوا۔ دل میں اس نے سوچا کہ اس نے بادشاہت ترک کر کے اس فقیری کو اختیار کر کے کیا حاصل کیا۔ آپ اس شخص کے دلی تصور کو بھانپ گئے' آپ نے جھٹ اپنی سوئی دریا میں پھینک کر باآواز بلند کہا۔ اے دریا کی مچھلیو! میری سوئی مجھے واپس لاؤ۔ امیر شخص کو تعجب ہوا کہ اتنے بڑے دریا میں چھوٹی سی سوئی کیسے مل سکتی ہے؟ اس دوران ہزاروں مچھلیاں اپنے اپنے منہ میں ایک ایک سونے کی سوئی پکڑے ہوئے باہر آئیں۔ آپ نے فرمایا مجھے یہ سونے کی سوئیاں نہیں چاہیے' مجھے تو اپنی سوئی چاہیے' چنانچہ ایک چھوٹی سی مچھلی اپنے منہ میں آپ کی سوئی پکڑے ہوئے لائی آپ کے آگے رکھ دی۔ آپ نے اس کرامت کے بعد امیر کی طرف توجہ کر کے فرمایا: بتاؤ میری وہ حکومت اچھی تھی یا یہ حکومت؟

شیخ عبدالقادر جیلانی کی کرامت

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جن کا نام گرامی آپ ہمیشہ سنتے رہتے ہیں کی بے شمار کرامات کتابوں میں لکھی ہیں۔ کچھ واقعات تو لوگوں نے اپنے طرف سے بنا کر نسبت ان کی طرف کی ہے' جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ حقیقی کرامات میں ایک کرامت سن لیں جو انتہائی محیر العقول ہے کہ آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ بادشاہوں کے ہدایہ قبول نہ فرماتے ایک دفعہ مستنجد باللہ نے اشرفیوں کے دس تھیلے آپ کی خدمت پیش کئے' آپ نے حسب معمول انکار فرمایا' خلیفہ نے اصرار کیا تو آپ نے ایک تھیلہ دائیں ہاتھ اور ایک تھیلا بائیں ہاتھ میں لے کر دونوں کو رگڑا تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا' خلیفہ سے فرمایا کہ شرم نہیں آتی بغداد کا خون کھاتے ہو اور اسے جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو تو خلیفہ پر اتنا اثر ہوا کہ غشی طاری ہوگئی۔

محترم حاضرین! اس طرح بے شمار کرامات علماء نے جمع کئے نہ صرف حضرت جیلانیؒ کے بلکہ اور کئی اکابر اولیاء کے ہیں مگر وقت کی کمی کی وجہ سے خطبہ کی ابتداء میں ذکر کردہ حدیث کے بارے میں تشریح اور مزید گفتگو آئندہ کسی موقع پر ان شاء اللہ ذکر کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ رب العزت مجھے اور آپ سب کو حضور ﷺ اور ان کے صحابہ رضوان اللہ' اولیاء اللہ کی تعلیمات پر چلنے کی توفیق سے نوازیں۔

مولانا نور محمد ثاقب*

علم اُصول حدیث میں علماء احناف کی تصنیفی خدمات

(قسط ...)

مقالہ نگار مولانا نور محمد ثاقب دارالعلوم حقانیہ کے قابل فخر فرزند اور جید فضلا میں سے ہیں، خداداد صلاحیتوں کی بناء پر امارت اسلامیہ افغانستان کے چیف جسٹس کے منصب پر فائز رہے، طالبان دور حکومت میں علامہ اقبال کے فرزند جناب جسٹس جاوید اقبال صاحب افغانستان کے دورہ پر گئے ان سے ملاقاتیں رہیں، وہاں کے نظام عدالت اور فقہ حنفی کی گہرائی اور جامعیت پر بحث وتمحیص اوران کی کارکردگی سے اتنے متاثر ہوئے کہ کابل سے واپسی پر ناچیز سے ملنے میری رہائش گاہ تشریف لائے۔ میری خواہش پر انہوں نے دارالعلوم کے وسیع ہال ایوان شریعت میں اپنا تاثراتی خطاب فرمایا اور جناب ثاقب صاحب کا زبردست انداز میں ذکر کیا۔ خطاب اس وقت الحق میں چھپ چکا تھا بعد میں انہوں نے اپنے سفرنامہ میں بھی ان کا ذکر کیا۔ امید ہے ان کا تحقیقی مضمون علمی حلقوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہوگا۔ { (مولانا) سمیع الحق }

بندہ نے اُصول حدیث کے سلسلۂ مضامین کی پچھلی قسطوں میں اُصولِ حدیث میں علماء احناف کی دوسو(۲۰۰) کتابوں کا تذکرہ کیا تھا۔ اَب اِس علم میں علماء احناف کی دیگر کتابیں(اُن کے مصنفین کی تواریخ وفات کی ترتیب پر) ذکر کی جاتی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۲۰۱. " اثبات القياس والاجتهاد وخبرالواحد" تاليف الشيخ المحدّث الفقيه الأصولى أبى الحسن علىّ بن موسى بن يزداد وقيل يزيد القُمى النيسابورى الحنفى،المتوفّٰى سنة ۳۰۵ھ

۲۰۲. "مشكل الآثار" (فى أربع مجلّدات) تاليف الامام المحدّث الفقيه أبى جعفرأحمد بن محمّد بن سلامة الأزدى الطّحاوى الحنفى، المتوفّٰى سنة ۳۲۱ھ

۲۰۳. "ذيلٌ على المؤتلف والمختلف لِعبد الغنى بن سعيد الأزدى" تاليف الشيخ العلّامة أبى العبّاس جعفربن محمّد بن المعتزّبن محمّد بن المُستغفربن الفتح المُستغفرى النّسفى الحنفى، المولود سنة ۳۵۰ھ، المتوفّٰى سنة ۴۳۲ھ

---

* سابق چیف جسٹس سپریم کورٹ آف افغانستان وسابق رئیس دارالافتاء المرکزیہ افغانستان)

۲۰۴. "المُفهِم لِشرح غريب صحيح مسلم" تاليف الشيخ أبي الحسن عبدالغافربن اسمٰعيل بن عبدالغافربن محمّد بن سعيدالفارسي القُشيري الحنفي سِبط أبي القاسم القُشيري المولود سنة ۴۵۱ھ، المتوفّٰی بنيسابورسنة ۵۲۹ھ وقيل سنة ۵۳۷ھ

۲۰۵. "صنوان الرّواية وقنوان الدّراية" تاليف الشّيخ المحدّث عمادالدّين أبي طاهرعبدالسّلام بن أبي الرّبيع محمود بن محمّد الحنفي المتوفّٰی في شعبان سنة ۶۶۱ھ

۲۰۶. "مختصرجامع الأصول لِأحاديث الرّسول لِابن الأثير" تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه أبي جعفرمحمّدالمروزي الأسترآبادي الحنفي، وعرف بالقبّة ، أتمّ تاليفه في ذي القعدة سنة ۶۸۲ھ

۲۰۷. "مختصرأُسُدُالغابة في معرفة الصّحابة" تاليف الشّيخ الفقيه اللّغوي سديدالدّين أبي عبدالله محمّد بن محمّد بن عليّ الكاشغري الحنفي المتوفّٰی سنة ۷۰۵ھ

۲۰۸. "دررالآثار وغررالأخبار" تاليف الشّيخ الفقيه الواعظ بدرالدّين محمّد بن أبي زكريايحيى بن عبدالرّحمٰن القدسي الحنفي المتوفّٰی بِدمشق في الثّالث والعشرين من شعبان سنة ۷۳۵ھ

(يہ کتاب علی بن محمد المعروف بابن الأثيرالجزری کی کتاب "أُسُدُالغابة في معرفة الصّحابة" کا مختصر ہے)

۲۰۹. "الذّيل الكبيرعلى المؤتلف والمختلف لِابن نقطة" تاليف الامام العلّامة الحافظ علاء الدّين أبي عبدالله مُغُلْطاي بن قِليج بن عبدالله البَكجَري المصري الحنفي المولود سنة ۶۸۹ھ، المتوفّٰی في شعبان سنة ۷۶۲ھ

۲۱۰. "مشرق الأنوارفي مشكل الآثار" تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه الأصولي جمال الدّين محمود بن أحمد بن مسعود بن عبدالرّحمٰن القونوي الدّمشقي قاضي القضاة بهاالحنفي، المعروف بِابن السّراج المتوفّٰی بدمشق سنة ۷۷۱ھ

۲۱۱. "أرجوزة في علوم الحديث" تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه أحمد بن محمّد بن أحمد بن عمربن محمّد بن ثابت بن عثمان بن محمّد بن عبدالرّحمٰن بن ميمون بن محمود بن حسان بن سمعان بن يوسف بن اسمٰعيل النّعماني الفرغاني البغداديّ الأصل الكوفي الدّمشقي الحنفي المولود بِالكوفة سنة ۷۵۱ھ، المتوفّٰی بِدمشق سنة ۸۳۴ھ

۲۱۲. "شرح أرجوزة في علوم الحديث" تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه أحمد بن محمّد بن

أحمد بن عمر بن محمّد بن ثابت بن عثمان بن محمّد بن عبدالرّحمٰن بن میمون بن محمود بن حسان بن سمعان بن یوسف بن اسمٰعیل النّعمانی الفرغانی البغدادیّ الأصل الکوفی الدّمشقی الحنفی،المولود بِالکوفة سنة ٧٥١هـ، المتوفّٰی بِدمشق سنة ٨٣٤هـ

٢١٣. "مختصر فی علوم الحدیث" تالیف الشّیخ المحدّث أبی الفتح شهاب الدّین أحمد بن عثمان بن محمّد بن ابراهیم بن عبدالله الکرمانیّ الأصل،القاهری،الحنفی، ویعرف بِالکِلُوتاتی،المولود سنة ٧٦٢هـ، المتوفّٰی بِالقاهرة سنة ٨٣٥هـ

٢١٤. "مختصر الاعتبار فی النّاسخ والمنسوخ من الآثار لِلحازمی" تالیف الشّیخ المحدّث أبی الفتح شهاب الدّین أحمد بن عثمان بن محمّد بن ابراهیم بن عبدالله الکرمانیّ الأصل،القاهری، الحنفی، ویعرف بِالکِلُوتاتی، المولود سنة ٧٦٢هـ،المتوفّٰی بِالقاهرة سنة ٨٣٥هـ

٢١٥. " الفوائد السنیّة فی تلخیص تهذیب الأسماء النوویّة " (تلخیص تهذیب الأسماء واللّغات لِلنّووی) تالیف الشّیخ المحدّث الفقیه عبدالرّحمٰن بن محمّد بن علی بن أحمد بن محمّد البسطامی الأنطاکی الحنفی، نزیل بروسه المتوفّٰی بها سنة ٨٥٨هـ

٢١٦. " شرح النّخبة فی أصول الحدیث " تالیف الشّیخ العلّامة وجیه الدّین بن نصرالله بن عمادالدّین العلوی الهندی الجراتی الحنفی، المولود فی المحرّم سنة ٩١١هـ، المتوفّٰی فی صفر سنة ٩٩٨هـ

٢١٧. " عقد الجواهر النیّرات فی بیان خصائص الکرام العشرة الثّقات " تالیف الشّیخ الفقیه الأصولی المتکلم محمّد بن عبدالله بن أحمد بن محمّد بن ابراهیم بن محمّد الخطیب التّمرتاشی الغزی الحنفی، المولود بِغزة هاشم سنة ٩٣٩هـ، المتوفّٰی بها فی أواخر رجب سنة ١٠٠٤هـ

٢١٨. " اتحاف الرّواة بِمسلسل القضاة " تالیف الشّیخ الفقیه النّحوی شهاب الدّین أبی العباس أحمد بن محمّد بن أحمد بن یونس بن اسمٰعیل بن محمود السعودی المصری المعروف بِالشّلبی، المتوفّٰی سنة ١٠٢١هـ

٢١٩. " مهمّة المحدّثین " تالیف الشّیخ المحدّث اِعتنان خواص خان البیجاپوری الحنفی القادری، فرَغَ من تالیف هذا الکتاب سنة ١٠٢٨هـ

٢٢٠. " شرح سفر السعادة (فارسی) " (لاسیّما مقدّمة الکتاب وخاتمته) تالیف الشّیخ عبدالحق

بن سيف الدّين بن سعدالله المحدّث الدّهلوى الحنفى، المتخلّص بِحقّى، المولود فى المحرّم سنة ۹۵۸ھ، المتوفّى فى الثّالث والعشرين من ربيع الأوّل سنة ۱۰۵۲ھ

۲۲۱. " مقدّمة أشعة اللّمعات " (فارسى) تاليف الشّيخ عبدالحق بن سيف الدّين بن سعدالله المحدّث الدّهلوى الحنفى، المتخلّص بِحقّى، المولود فى المحرّم سنة ۹۵۸ھ، المتوفّى فى الثّالث والعشرين من ربيع الأوّل سنة ۱۰۵۲ھ

۲۲۲. " أسماء الرّجال والرّواة، المذكورين فى المشكوة " تاليف الشّيخ عبدالحق بن سيف الدّين بن سعدالله المحدّث الدّهلوى الحنفى، المتخلّص بِحقّى، المولود فى المحرّم سنة ۹۵۸ھ، المتوفّى فى الثّالث والعشرين من ربيع الأوّل سنة ۱۰۵۲ھ

۲۲۳. " خلاصة الأثر فى تراجم أعيان القرن الحادى عشر" تاليف الشّيخ الأديب اللّغوى محمّد أمين بن فضل الله بن محبّ الله بن محبّ الدّين محمّد بن أبى بكرتقىّ الدّين بن داؤد الحموى الدّمشقى الحنفى، المعروف بِالمُحِبّى، المولود سنة ۱۰۶۰ھ، المتوفّى بِدمشق فى الثّامن عشرمن جمادى الأولى سنة ۱۱۱۱ھ

(یہ کتاب چارجلدوں میں ہے، جوکہ طبع شدہ ہے)

۲۲۴. "رشحة النّصيح من الحديث الصحيح " تاليف شيخ الاسلام محمّد بن محمود بن أحمد الشّهير بِدباغ زاده الرّومى الحنفى، المتوفّى سنة ۱۱۱۴ھ

۲۲۵. " إضاءة النّور اللّامع فيما اتّصلَ من أحاديث النّبيّ الشّافع " تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه محمّد بن زين الدّين عمربن عبدالقادر بن شمس الدّين بن أبى عبدالله محمّد الكُفَيرى الدّمشقى الحنفى، المولود بِدمشق سنة ۱۰۴۳ھ، المتوفّى بِدمشق سنة ۱۱۳۰ھ

۲۲۶. " تأويل الأحاديث " تاليف الشّيخ الامام الشّاه ولىّ الله أحمد بن عبدالرّحيم بن وجيه الدّين المحدّث الدّهلوى الحنفى، المولود سنة ۱۱۱۴ھ، المتوفّى سنة ۱۱۷۶ھ

۲۲۷. " إكليل الجواهرالغالية فى رواية الأحاديث العالية " تاليف الامام الحافظ المحدّث الفقيه اللّغوى أبى الفيض السيّد محمّد مرتضى الحسنى الزَّبيدى اليمنى ثمّ المصرى الحنفى، المولود بِالهند فى بلدة بِلجْرام سنة ۱۱۴۵ھ، المتوفّى بمصرسنة ۱۲۰۵ھ

۲۲۸. " القول الصّحيح فى مراتب التعديل والتجريح " تاليف الامام الحافظ المحدّث الفقيه اللّغوى أبىَ الفيض السيّد محمّد مرتضى الحسنى الزَّبيدى اليمنى ثمّ المصرى الحنفى،

المولود بِالهند فی بلدة بِلجْرام سنة ۱۱۴۵ھ، المتوفّٰی بمصرسنة ۱۲۰۵ھ

۲۲۹. " ألفية السّند ومناقب أصحاب الحديث " (فی ألفٍ وخمس مائة بيتٍ) تاليف الامام الحافظ المحدّث الفقيه اللّغوی أبی الفيض السيّد محمّد مرتضی الحسنی الزّبيدی اليمنی ثمّ المصری الحنفی، المولود بِالهند فی بلدة بِلجْرام سنة ۱۱۴۵ھ، المتوفّٰی بمصرسنة ۱۲۰۵ھ

۲۳۰. " رسالة فی طبقات الحُفّاظ " تاليف الامام الحافظ المحدّث الفقيه اللّغوی أبی الفيض السيّد محمّد مرتضی الحسنی الزّبيدی اليمنی ثمّ المصری الحنفی، المولود بالهند فی بلدة بِلجْرام سنة ۱۱۴۵ھ ، المتوفّٰی بمصرسنة ۱۲۰۵ھ

۲۳۱. " المعجم الأكبر" تاليف الامام الحافظ المحدّث الفقيه اللّغوی أبی الفيض السيّد محمّد مرتضی الحسنی الزّبيدی اليمنی ثمّ المصری الحنفی، المولود بِالهند فی بلدة بِلجْرام سنة ۱۱۴۵ھ، المتوفّٰی بمصرسنة ۱۲۰۵ھ (مولف نے اِس کتاب میں اپنے شیوخ کا تذکرہ کیا ہے اوراُن کے سوانح بیان کئے ہیں)

۲۳۲. " سلك الدّرر فی أعيان القرن الثانی عشر" تاليف الشّيخ المفتی السيّد محمّد خليل بن السيّد علیّ بن بهاء الدّين محمّد مُراد البخاریّ الأصل دمشقیّ المولد مَفتیّ الحنفيّة بها الشّهير بِالمرادی النّقشبندی المولود سنة ۱۱۷۳ھ، المتوفّٰی بحلب سنة ۱۲۰٦ھ (یہ کتاب چارجلدوں میں ہے، اِس کاایک حصہ قسطنطنیہ سے، اور باقی حصّے مصر سے طبع ہو چکے ہیں)

۲۳۳. " المعجم الوجيزفی أحاديث النّبیّ العزيز " تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه عفيف الدّين أبی السّعادة عبدالله بن ابراهيم بن حسن بن محمّد أمين بن علیّ ميرغنی الحُسَينی، المكّی الطّائفی، الحنفی، الملقّب بِالمحجوب المتوفّٰی سنة ۱۲۰۷ھ

۲۳۴. " حسن الأثرفيما فيه ضعفٌ واختلافٌ مِن حديثٍ وخبرٍ وأثر" تاليف الشّيخ المحدّث أبی عبدالرّحمٰن السيّد محمّد بن السيّد درويش البيروتی الحنفی، الشّهير بِالحوت المولود ببيروت سنة ۱۲۰۹ھ، المتوفّٰی سنة ۱۲۷٦ھ

۲۳۵. " مرقاة الوصول الٰی نوادرالأصول فی الحديث " تاليف الشّيخ المحدّث مصطفی بن اسمٰعيل الدّمشقی الشّامی الحنفی نزيل القسطنطينيّة تمّ تاليف هٰذاالكتاب سنة ۱۲۹۴ھ

۲۳٦." الذّهب الابريز فی شرح المعجم الوجيز فی أحاديث النّبیّ العزيز" تاليف الشّيخ الفقيه

المحدّث الزّاهد أبي المحاسن السيّد محمّد بن خليل بن ابراهيم بن محمّد بن عليّ بن محمّد المَشِيشِي الطّرابلسي(طرابلس الشّام) الحنفي، الشّهيرِبِالْقَاوُقْجِي، المولود سنة ۱۲۲۲ هـ،المتوفّى في ذي الحجّة سنة ۱۳۰۵هـ

۲۳۷. " القول الواثق في أصول حديث النّبيّ الصّادق " تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه الأصولي محمّد عبدالباقي الأفغاني الحنفي، كان حيًّا قبل سنة ۱۳۱۵ هـ

۲۳۸. " تقريراتٌ على شرح النّخبة في مصطلح الحديث " تاليف الشّيخ المحدّث الفقيه عبدالحكيم الأفغاني القندهاري الحنفي، سَكَنَ دمشق وتوفّي بها، المولود سنة ۱۲۵۱ هـ، المتوفّى سنة ۱۳۲۶هـ

۲۳۹. " الجوهر واللآل في مصطلح أهل الحديث ومراتب الرّجال " تاليف الشّيخ المحدّث عبدالله بن درويش الرّكابي، الدّمشقي الحنفي، الشّهير بِالسّكري، المولود بِدمشق سنة ۱۲۳۰ هـ، المتوفّى بِدمشق في الثّالث عشرمن شوّال سنة ۱۳۲۹هـ

۲۴۰. " الكوكب الحثيث شرح ذكا الحديث في مصطلح الحديث " تاليف الشّيخ المحدّث أمين بن محمّد بن خليل الدّمشقي الحنفي، الشّهير بِالسَّفَرْجَلاني، المتوفّى سنة ۱۳۳۵ هـ

۲۴۱. " عقود الأسانيد في مصطلح الحديث " تاليف الشّيخ المحدّث أمين بن محمّد بن خليل الدّمشقي الحنفي، الشّهير بِالسَّفَرْجَلاني، المتوفّى سنة ۱۳۳۵ هـ

۲۴۲. " التّنبيه والايقاظ لِما في ذيول تذكرة الحُفّاظ " تاليف الشّيخ المحدّث أحمد بن محمّد بن عبدالعزيز الطّهطاوي الحُسَيني، القاسمي، الحنفي، الملقّب بِرافع، المولود بِطهطا بِمديريّة جرجا بمصرفي جمادى الثّانية سنة ۱۲۷۵ هـ، المتوفّى سنة ۱۳۵۵هـ

۲۴۳. " ارشاد المستفيد الى بيان وتحريرالأسانيد " (في مجلّدين ضخمين) تاليف الشّيخ المحدّث أحمد بن محمّد بن عبدالعزيز الطّهطاوي الحُسَيني، القاسمي، الحنفي، الملقّب برافع، المولود بِطهطا بِمديريّة جرجا بمصرفي جمادى الثّانية سنة ۱۲۷۵ هـ، المتوفّى سنة ۱۳۵۵هـ

۲۴۴. " أعذب الموارِد في برنامج كتب الأسانيد " تاليف الشّيخ أبي الفيض عبدالسّتار بن عبدالوهّاب بن خدايار بن عظيم حسين يار بن أحمد يار المباركشاهوي البكري الصدّيقي، الدّهلوي الحنفي، المولود سنة ۱۲۸٦ هـ، المتوفّى بمكّة سنة ۱۳۵۵هـ

۲۴۵. " كشف المغطّا عن رجال الموطأ " تاليف الشيخ المحدّث المفتي مولانا اشفاق الرّحمٰن بن عنايت الرّحمٰن الكاندهلوي الحنفي، المتوفّٰى سنة ۱۳۷۷ھ

(مولف نے اس کتاب میں پانچ سو آٹھ رجالِ حدیث کے تراجم بیان کئے ہیں)

۲۴۶. " سلعة القربة في توضيح شرح النّخبة " (اُردو) تاليف الشيخ مولانا محمّد عبدالحئي الكَمْلپتوي الحنفي، الخطيب بجامع رنون طبع هٰذا الكتاب أوّل مرّة في مطبعة ادارة اسلاميات لاهور سنة ۱۳۹۸ھ

۲۴۷. " تراجم الأحبار من رجال شرح معاني الآثار " تاليف الشيخ الحكيم مولانا محمّد أيوب بن الطّبيب محمّد يعقوب السّهارنبوري المظاهري الحنفي، المولود سنة ۱۳۱۸ھ، المتوفّٰى في السّابع والعشرين من ربيع الآخر سنة ۱۴۰۷ھ

(یہ کتاب چار جلدوں میں ہے اور طبع شدہ ہے)

۲۴۸. " تصويب التّقليب الواقع في تهذيب التّهذيب " تاليف الشيخ الحكيم مولانا محمّد أيوب بن الطّبيب محمّد يعقوب السّهارنبوري المظاهري الحنفي، المولود سنة ۱۳۱۸ھ، المتوفّٰى في السّابع والعشرين من ربيع الآخر سنة ۱۴۰۷ھ

(مولف نے اس کتاب میں تذکرۂ رُواۃ کے سلسلہ میں ابن حجر رحمہ اللہ کے سہوِ قلم کے مواضع کو جمع کیا ہے)

۲۴۹. " التّحقيق والتّعليق على ظفر الأماني شرح مختصر السيّد الشّريف الجرجاني " تاليف الشيخ العلّامة عبدالفتّاح أبي غُدّة الحلبي الحنفي، المتوفّٰى سنة ۱۴۱۷ھ

۲۵۰. " ضرورتِ حديث " (اُردو) تاليف الشيخ القاضي مولانا محمّد زاهد الحُسَيني الحنفي، المولود في السّادس من ربيع الأوّل سنة ۱۳۳۱ھ، المتوفّٰى في المحرّم سنة ۱۴۱۸ھ

(یہ کتاب مکتبہ زاھد یہ اٹک سے طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے)

الحمدللہ اَب تک اُصولِ حدیث کے سلسلۂ مضامین میں حضرات علماء احناف کے دو سو پچاس (۲۵۰) علمی ذخائر کا تذکرہ قارئین کے سامنے آیا ہے، فَجَزَاهُم اللّٰه تعالٰى عنّا وعن سائر المسلمين خيرًا اللہ تعالٰی کی توفیق سے آئندہ بھی مزید تالیفات ذکر کی جائیں گی۔ ان شاء اللّٰه

وصلى اللّٰه تعالٰى على خير خلقه محمّد وّعلٰى آله واصحابه اجمعين.

مولانا یاسر احمد زیرک*

امام بخاریؒ کے تعلیمی نظریات سے قدیم و جدید ماہرین تعلیم کا اتفاق

(حصہ اول)

علم کا حصول اگرچہ مسلسل عمل اور نہ ختم ہونے والا ایک سلسلہ ہے یعنی مہد سے لحد تک۔ اس لیے اہل علم کی ایک اہم اور بنیادی ذمہ داری یہ ہے کہ حاصل شدہ علم کو اپنے تلامذہ، آنے والی نسلوں اور اس علم کے متلاشیوں کو دیانت داری کے ساتھ بہترین طریقے سے منتقل کریں۔ مجموعی طور پر علوم اسی طرح آگے بڑھتے ہیں۔ جہاں اس فرض میں کوتاہی ہوتی ہے اور جس دور میں اجتماعی طور پر اس بنیادی کام سے پہلوتہی کی جاتی ہے، وہ جگہ اور دور تاریکیوں میں ڈوبنے لگتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ موجودہ عظیم الشان ذخیرہ علوم وفنون اور عظمت تہذیب وتمدن کے بانی ومحسن وہی بے لوث اور پُر خلوص مشعل بردار تھے جنہوں نے اپنے علم وتجربے کو آگے منتقل کیا۔ بے شک جاننے والے نہ جاننے والوں پر فوقیت رکھتے ہیں لیکن اس جاننے کے عمل کو جاری رکھنے اور شعور وآگہی کی دولت کو منتقل کرنے میں جن کا خون پسینہ ایک ہوتا ہے اور جن کی راتوں کی نیندیں اور دنوں کا چین اس مقدس فریضہ کی نظر ہوجاتا ہے، اُن کی شان ہی کچھ اور ہے۔ وہی لوگ یقیناً معلمین ہیں، جو انسانیت کے محسن، حال کے رہبر اور ماضی کے درخشاں روایات کے امین ہوتے ہیں۔ اُنھیں زندگی میں مادی اور اخلاقی اجر ملے نہ ملے لیکن اُن کی روشن مشعلیں انسانی راہوں کو منور کرتی رہتی ہیں اور یوں اُن کا نام لوحِ حیات پر نقشِ دوام بن جاتا ہے۔ ماضی کے ان درخشاں مشعلوں اور لوحِ حیات پر نقشِ دوام بننے والی ایک شخصیت امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ کی بھی ہے جنہوں نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الجامع الصحیح للبخاری'' میں کتاب العلم کے تحت احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں اپنا تعلیمی نظریہ پیش کیا جس کی افادیت پر آج ۱۲۰۰ سال بعد جدید دور کے ماہرین تعلیم متفق نظر آتے ہیں۔

تعلیم کا مفہوم: لفظ ''تعلیم'' علم سے ماخوذ ہے۔ تعلیم کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کے بارے میں بار بار اور کثرت سے خبر دینا تاکہ سننے والے کے ذہن میں وہ بات پوری طرح بیٹھ جائے۔ یعنی طالب علموں کو ایسی تعلیم

* yasirahmad777@gmail.com

دی جائے کہ ان کی جملہ صلاحیتوں کی مناسب نشو ونما ہو سکے۔ چونکہ تعلیم کا انحصار فرد کے فلسفۂ حیات پر ہوتا ہے اسی لیے ہر مفکر نے تعلیم کی تعریف اپنے اپنے نقطۂ نظر سے کی ہے۔ان میں چند کو یہاں بیان کیا جاتا ہے۔

امام الحرمینؒ اورابن العربی مالکیؒ: امام الحرمینؒ اورابن العربی مالکیؒ کے ہاں تعریفِ علم میں توقف ہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ علم کی جامع اور مانع تعریف متعذر مشکل ہے۔ یہی رائے امام فخرالدین رازیؒ کی بھی ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ علم،جہل کی ضد ہےاوراجلی البدیہیات سے ہےاوراجلی البدیہیات کی تعریف نہیں ہوتی۔

ماتریدیہ کے نزدیک: "صفة مودعة فی القلب کالقوة الباصرة فی العین" کا نام علم ہے، یعنی آنکھ کی روشنی کی طرح دلی روشنی کا نام علم ہے۔

فلاسفہ کے نزدیک: "حصول صورة الشیء بالصورة الحاصلة من الشیء عند العقل" کا نام علم ہے، کیونکہ اُن کے ہاں علم کا تعلق صرف موجودات سے ہے۔ جب کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کے ہاں علم کا تعلق موجودات اور معدومات دونوں کے ساتھ ہے۔

امام غزالیؒ کے نزدیک: تعلیم وتربیت کے تذکرے میں امام غزالیؒ کا نام صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔امام صاحب ایک ماہر تعلیم ہی نہیں بلکہ ماہر نفسیات بھی تھے۔آپؒ کے خیال میں تعلیم اسلامی معاشرے کے بالغ ارکان کی جدوجہد ہے۔جس سے آنے والی نسلوں کی نشو ونما اور تشکیلِ زندگی اُن کے نصب العین کے مطابق ہوتی ہے۔

افلاطون کے نزدیک: یونانی فلاسفہ اور افلاطون (Plato) کے نزدیک تعلیم ''حقیقت کی تلاش'' ہے، جو نیکی کی طرف انسان کی رہنمائی کرتی ہے۔مثالی معاشرے اور مملکت کی تعمیر کا واحد ذریعہ تعلیم ہی ہے۔

پستالوزی کے نزدیک: ماہر نفسیات پستالوزی (Pestalozzi) کے نزدیک تعلیم فرد کی جسمانی، اخلاقی اور ذہنی قوتوں کی متوازن نشو ونما کا نام ہے۔

ڈاکٹر جان ڈیوی کے نزدیک: مشہور ومعروف فلسفی اور ماہر ڈاکٹر جان ڈیوی (John Dewy) نے تعلیم کی تعریف اس طرح کی ہے۔ ''تعلیم بچے کے تجربات کی تعمیر نو، تجدید نو اور تنظیم نو کا نام ہے''۔

ارسطو کے نزدیک: ارسطو کے نزدیک تعلیم کا مفہوم ایک نئے آدمی کی تعمیر ہے۔تعلیم وہ عمل ہے جس سے معاشرے میں اتحاد اور عمدہ اخلاق پیدا کیے جاتے ہیں۔

روسو کے نزدیک: فرانسیسی مفکر ''روسو'' کے مطابق تعلیم فطری ماحول میں فرد کی انفرادیت کی نشو ونما کا نام ہے۔کچھ لوگوں کے نزدیک تعلیم معاشرے کے پسندیدہ رسم ورواج، اقدار اور طرزِ حیات کو آئندہ نسل تک پہنچانے کا نام ہے۔اور کچھ کے نزدیک تعلیم کا مطلب ترقی پذیر اور بدلتا ہوا معاشرہ پیدا کرنا ہے اور مزید کچھ ماہرین ان دونوں مفاہیم کو ملا کر ایک مجموعی سی تعریف کرتے ہیں۔جس کے مطابق تعلیم ایک معاشرتی عمل ہے

جس سے معاشرہ کی بقا اور ارتقا دونوں مقصود ہیں۔

تعلیم کا اسلامی مفہوم: تعلیم کی اہمیت پر جتنا زور اسلام نے دیا ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تعلیم ہی وہ جوہر ہے جو انسان اور حیوان میں امتیاز کا باعث ہے۔ تعلیم انسان پر ایسے اثرات اور نقوش چھوڑتی ہے، جو کبھی مٹ نہیں سکتے۔ تعلیم ہی انسانی شخصیت کو جان بخشتی ہے اور فرد کو اپنے ماحول سے مطابقت پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

قرآنِ کریم میں خداوندِ کریم کا ارشاد ہے ﴿یرفع الله الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجت﴾ یعنی جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اللہ ان کے درجے بلند کرے گا۔

اس آیتِ ربانی سے علم کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ انسان کو عظمت و بزرگی تعلیم ہی سے حاصل ہوتی ہے اور جس کو اللہ کی طرف سے عظمت و بزرگی مل جائے، اسے کسی اور شے کی خواہش نہیں رہتی۔ قرآنِ کریم میں تعلیم کی اہمیت اور عظمت کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ حصولِ علم کو نیکی کے مترادف مانا گیا ہے جس سے انسان کو اشرف المخلوقات ہونے کا درجہ ملتا ہے۔

اسلام میں تعلیم نہ صرف روحانی بالیدگی اور اخلاقی نشوونما کو فروغ دیتی ہے بلکہ یہ ایک ہمہ گیر عمل ہے جس کا طالبِ علم کی زندگی کے تمام پہلوؤں سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے علاوہ تصورات، تہذیب و تمدن اور ثقافت بھی اس کے زیرِ اثر فروغ پاتی ہیں۔

اسلام کے نظریۂ تعلیم کے مطالعے سے مندرجہ ذیل اُصول اخذ کیے جاسکتے ہیں۔

ا: خداوندِ کریم نے انسان کو بے داغ فطرت اور لامحدود صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ ان صلاحیتوں کو ترقی دینا اس کی اپنی پسند، ہمت اور استعداد پر منحصر ہے۔

ب: خداداد صلاحیتوں کو ترقی دینے کی بہترین صورت یہ ہے کہ انسان نظامِ کائنات کی تخلیق اور اس کے اندازِ کار پر غور کرے۔

ج: تعلیم کے متحرک تصور کے لیے کوئی مقررہ نصاب مثالی اور ابدی نہیں ہوسکتا، نصاب میں لچک اور قوتِ جذب ہونی چاہیے۔

د: تمام انسان آپس میں بھائی ہیں، ایک کو دوسرے پر فوقیت حاصل نہیں، اگر فوقیت ہے تو علم سے ہے۔

اسلام نے دینی اور دنیاوی دونوں قسم کے علوم کو ضروری قرار دیا ہے۔ کیونکہ اگر دینی اور دنیاوی علوم میں باہمی ربط و توازن ہوگا تو اسلامی نظریۂ تعلیم کا عروج ہوگا۔

خود امام بخاریؒ کے نزدیک وہ علم معتبر ہے جس سے ایمان میں ترقی ہو، چاہے وہ حیاتِ انسانی کے جس شعبے سے بھی تعلق رکھتا ہو بشرطیکہ شریعت سے متصادم نہ ہو۔

اسلام دینِ فطرت ہے،اس لیے وہ بلا امتیاز تعلیم کے حق کو تسلیم کرتا ہے، کیونکہ یہ انسان کا فطری تقاضا ہے۔جس میں رنگ و نسل، امیر و غریب، عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تعلیم حاصل کر سکتا ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جب کہ تعلیم اس کا لازمی جزو ہے، جس کے بغیر دین کی حیثیت کو سمجھنا ناممکن ہے۔

تعلیم کی فضیلت: اگر استاد اور طالب علم کے ذہن میں تعلیم کی عظمت نہ ہو تو دونوں کا اس میدان میں چلنا نہایت مشکل ہے۔اس میں دراصل طالب علم اور استاد دونوں کو جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کے اندر علم کے حصول کا ایک جذبہ ہو۔تو استاد اور شاگرد کے ذہن میں علم کی فضیلت بٹھانے کے لیے امام بخاریؒ نے ﴿باب العلم قبل القول والعمل﴾ کے عنوان سے باب قائم کیا جس کے تحت ۱۲ نکتے ذکر فرمارہے ہیں۔

۱: ایمان اس وقت لاؤ گے جب علم ہو، مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو کسی چیز کے بارے میں علم ہو تو ایمان لاؤ گے۔اگر ایک طرف ﴿انا اعلمکم باللہ﴾ میں یہ بیان ہوا کہ علم وہ قابلِ قبول ہے جو ایمان کا نتیجہ ہو تو دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ علم کے لیے ایمان موقوف علیہ ہے۔

۲: علم سبب وراثتِ نبوی ﷺ ہے۔علم سے بنیادی طور پر مراد اللہ تعالیٰ کی مرضیات کا ادراک کرنا ہے۔ قرآن وحدیث کے پڑھنے سے مرضیاتِ ربانی کا ادراک ہوگا۔معرفتِ ربانی جیسے بھی حاصل ہو، پیغمبر ﷺ کا وارث کہلائے گا۔

۳: علم ذریعۂ دخولِ جنت ہے۔ چونکہ صاحبِ علم اللہ تعالیٰ کی مرضیات جانتا ہے، اسی وجہ سے اسی کے مطابق اپنی زندگی بنا کر جنت میں داخل ہوگا۔

۴: علم ذریعۂ خشیتِ الٰہی ہے۔قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ﴿انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء﴾ لہٰذا مرضیاتِ ربانی کے جاننے کی وجہ سے صاحبِ علم اپنے آپکو ان امور کے ارتکاب سے بچائے گا جو اللہ کی ناراضگی کا سبب ہو۔

۵: علم عقل مندی کی نشانی ہے۔قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ﴿وما یعقلھا الا العالمون﴾

۶: علم جہنم سے بچنے کا ذریعہ ہے۔قرآنِ کریم میں ارشاد ہے ﴿وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر﴾

۷: علم کے کوئی چیز مساوی نہیں۔ ﴿ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون﴾

۸: علم اللہ کے ارادۂ خیر کی نشانی ہے۔حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین﴾

۹: علم کے لیے استاد کا ہونا ضروری ہے۔﴿وانما العلم بالتعلم﴾

۱۰: علم زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے جیسے کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا ﴿لو وضعتم الصمصامة علی هذه وأشار إلى قفاه﴾

۱۱: علم ذریعۂ تبلیغ ہے ﴿لیبلغ الشاهد الغائب﴾

۱۲: علم سے حکمت سیکھی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿کونوا ربانیین﴾ ای حکماء علماء فقهاء۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ علم حکمت اور فقاہت کا مجموعہ ہے۔

امام بخاریؒ کے ان ۱۲ نکتوں سے واضح ہو رہا ہے کہ استاد کو اپنے پیشے اور منصب سے وفادار ہونا چاہیے۔

تعلیم کی ضرورت: ابتدائی دور میں انسان تنہا رہتا تھا۔ تنہا رہ کر وہ ماحول کو قابو میں نہ لا سکتا تھا۔ ماحول کی مخالف قوتیں بڑی زورآور اور ظالم تھیں۔ اس کی مخالفت سے بچنے کے لیے تنہا انسان کافی نہ تھا۔ فطرت نے اسے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ علیحدہ زندگی گزارنے والے انسان اگر یکجا ہو جائیں تو وہ با آسانی ان مخالف قوتوں پر قابو پا سکتے ہیں۔ اس ضرورت کے تحت بے ترتیب اور غیر منظم انسان ایک دوسرے کے قریب ہو گئے۔ اس قربت نے باہمی تعلقات، تنظیم، نظم وضبط اور ایسے دیگر کئی مسائل پیدا کر دیئے جس کی وجہ سے انسان خیالات، افکار، نظریات اور ابلاغ واظہار میں ہم آہنگی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے تھے۔ ان مسائل پر قابو پانے کے لیے انہوں نے مختلف طریقے، اشیا، مہارتیں، معلومات، قاعدے، قوانین اور رہن سہن کے انداز اختیار کیے۔ ان کے صحیح اور پُر اثر استعمال کی دیکھ بھال کے لیے ادارے قائم کیے اور یوں ایک ثقافت وجود میں آئی۔ ہر نسل اسی ثقافت کو بہتر صورت میں نئی نسل تک منتقل کرتی رہی۔ یہ انتقال ثقافت کے ذریعے ہی ممکن ہوا۔ لہٰذا انسان نے اپنے معاشرے کی ثقافت کو منتقل کرنے کے لیے ایسے ادارے قائم کیے جو تعلیم کا فریضہ ادا کر سکیں۔ اس ادارے کی ابتدا گھر سے ہوئی جہاں ماں باپ کی حیثیت معلم کی تھی۔ لیکن معاشرتی پیچیدگی نے انسان کو نئے ادارے قائم کرنے پر مجبور کیا۔ اس طرح تعلیم کے باقاعدہ رسمی ادارے قائم ہو گئے اور تعلیم ایک معاشرتی ذمہ داری بن گئی۔

تعلیم کا مقصد: حقیقت یہ ہے کہ مقاصدِ تعلیم قوم کے نقطۂ حیات کے تابع ہوا کرتے ہیں۔ ہر قوم کا اپنا ایک فلسفۂ حیات ہوتا ہے، کیونکہ تعلیم ہی وہ ذریعہ یا آلہ ہے جس کے ذریعے قوم اپنی نئی نسل کو اپنے فلسفۂ حیات سے روشناس کراتی اور انھیں بامقصد زندگی گزارنے کے اہل بناتی ہے۔ چنانچہ ہر مفکر نے تعلیم کے مقاصد متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

سقراط کی رائے: سقراط کے خیال میں تعلیم کا مقصد نیک افراد پیدا کرنا ہے۔

افلاطون کی رائے: افلاطون کے نزدیک تعلیم کا اولین مقصد فرد اور معاشرہ میں توازن برقرار رکھنا ہے۔

ارسطو کی رائے: ارسطو کا کہنا ہے کہ تعلیم کا مقصد زندگی میں مسرت وشادمانی حاصل کرنا ہے، جس کے لیے ضروری ہے کہ ہر فرد کو اس کے حقوق وفرائض سے آگاہ کر دیا جائے۔

امام غزالیؒ کی رائے: امام غزالیؒ کے خیال میں تعلیم کا مقصد سیرت و کردار کی تشکیل و تعمیر کرنا ہے۔
مختصراً یہ کہ تعلیم کے مقاصد زمانے اور وقت کے لحاظ سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تعلیم کا مقصد: قرآنی تعلیمات کی روشنی میں تعلیم کا مقصد انسان کو انسانیت کی اعلیٰ صفات سے متصف کرنا ہے۔ اس میں حق پرستی، انصاف پسندی، مساوات کا جذبہ، بہادری، بے خوفی، محبتِ الٰہی، عبادت کا شوق، نیکی کا تاثر قبول کرنے کی اہلیت اور عام زندگی کی صلاحیتوں کو فروغ دینا ہے۔ تعلیم کا مقصد اس کے ذہن کو اس طرح جلا بخشنا ہے کہ وہ ظلم اور زیادتی، بے انصافی اور عدمِ مساوات، استحصال اور جبر سے فطری طور پر نفرت کر سکے اور معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد کرنے کو سب سے بڑی سعادت خیال کرے۔

تعلیم و تدریس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن سچائیوں کا درس ہم اپنی نوخیز نسل کو دینا چاہتے ہیں، بڑی نسل اس کی عملی تصویر ہو اور سچائیوں پر کاربند ہو۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو نظریات اساتذہ کی محض زبانوں پر رہیں اور بالغ مردوں اور عورتوں کے کردار ان کی حقیقی عکاسی نہ کر سکیں، وہ نئی نسل کے دلوں پر اثرانداز نہیں ہو سکتے، خواہ ان کی تدریس صبح سے شام تک جاری رہے۔ ہمارا کردار ہمارے اصولوں کی تبلیغ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ قول اور فعل کا تضاد نئی نسل کی ذہنی و جذباتی صحت کے لیے سب سے بڑا مسئلہ بن سکتا ہے۔

مندرجہ بالا ابحاث کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم کے قدیم اور جدید نظریات کو سمجھا جائے۔
اگرچہ کوئی حدِّ فاصل مقرر نہیں کی جاسکتی کہ قدیم نظریہ کس دور اور عہد تک مقبول رہا ہے اور جدید مفہوم کب رائج ہوا۔ آج بھی بہت سے معاشرے قدیم نظریۂ تعلیم کو درست سمجھتے ہیں اور کئی قدیم ماہرین اور معاشرے بھی آج کے ترقی یافتہ نظریۂ تعلیم کے قریب تر تھے۔

قدیم نظریۂ تعلیم: قدیم نظریۂ تعلیم میں استاد کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی تھی۔ طالب علموں کی ضروریات اور احساسات کی بجائے استاد کے نظریات کو اولیت حاصل تھی۔ تعلیمی اداروں میں ڈسپلن سخت تھا۔ زیادہ سے زیادہ اخلاقی تربیت پر زور دیا جاتا تھا۔ نصابِ تعلیم بچوں کی ضروریات کی بجائے استاد کی تجویز کی ہوئی کتب پر مشتمل ہوتا تھا۔ طالب علموں کو جن مضامین کا درس دیا جاتا تھا وہ ان کے نفسیاتی تقاضوں، عمر اور استعداد سے عموماً بے تعلق ہوتا تھا۔ سارا زور ذہنی بالیدگی پر ہوتا تھا۔ کسی مضمون کو یاد کر کے اس پر عبور حاصل کرنا تعلیم کہلاتا تھا۔ بچے کو ایک ہی وقت میں کئی کئی ایسے مضامین کا مطالعہ کرنے پر مجبور کر دیا جاتا تھا جن کا ان کی زندگی یا قریبی ماحول سے واسطہ نہیں ہوتا تھا۔ تعلیم دینے کا کام زیادہ تر مذہبی لوگ سرانجام دیتے تھے اور یہ تعلیم صرف امراء کے بچوں کے لیے مخصوص ہوتی تھی، باقی عوام اور خصوصاً عورتیں تعلیم سے محروم رہتی تھیں۔ بچے کی قابلیت کا معیار اس کی یادداشت اور قوتِ حافظہ پر ہوتا تھا۔

قدیم نظامِ تعلیم میں طریقۂ تدریس: قدیم نظامِ تعلیم میں طرقِ تدریس بھی ناقص تھے۔ استاد کا کام درس دینا اور شاگرد کا کام درس سننا ہوتا تھا۔ معلم ہی ہر چیز میں پیش پیش ہوتا تھا، یعنی تعلیم، نظامِ تعلیم، نصاب اور فلسفہ سب کچھ معلم ہی ہوتا تھا۔ معلم اپنے اسباق میں امدادی اشیا کا استعمال نہ کرتا تھا، صرف زبانی درس پر زور ہوتا تھا۔ بچوں کی دل چسپیوں یا ان کے احساسات اور جذبات کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا تھا۔ اساتذہ کی تربیت کا بھی کوئی تصور نہ تھا۔ جو کوئی دوسرا کام نہ کرسکتا تھا، وہ عام طور پر معلمی کا پیشہ اختیار کر لیتا تھا۔

معلم کی تربیت: امام بخاریؒ معلم کی تربیت کے واسطے دو باب ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں ﴿باب قول الله تعالیٰ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا﴾ یعنی استاد کو چاہیے کہ اپنا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں معمولی سمجھے، اگر کمی کا احساس ہو تو سیکھنے کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اسی طرح ﴿باب ما یستحب للعالم اذا سئل ایّ الناس اعلم فیکل العلم الی الله تعالیٰ﴾ سے بتلانا چاہتے ہیں کہ بہترین استاد کی خوبی یہ ہے کہ علم کا سرچشمہ اللہ کی ذات کو سمجھے اور اپنے آپ کو کچھ بھی نہ سمجھے۔ اسی طرح استاد اور شاگرد دونوں کے درمیان قرب آجائے گا تو دونوں کو فائدہ ہوگا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ استاد کو جو مسئلہ نہیں آتا، وہ غلط نہیں بتائے گا بلکہ پوچھے گا، مطالعہ کرے گا۔ یہ بہترین استاد کی ایک اضافی خوبی ہے۔

معلم کی ذمہ داریاں: تعلیم وتدریس ایک ایسا شعبہ ہے جس میں معلم نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے کیونکہ اس کی کارکردگی پر اس کے طالب علموں کے مستقبل کا انحصار ہوتا ہے، طلبہ کی فطرت کو تبدیل کرسکتا ہے اور انھیں اپنی طرف متوجہ کرسکتا ہے۔ معلم کو اپنی صحت کا خیال رکھنے کے ساتھ ہمیشہ صاف ستھرا، باوقار اور شائستہ لباس پہننے کا عادی ہونا چاہیے۔ چونکہ معلم کی عادات واطوار پر طلبہ کی خاص نظر رہتی ہے، وہ ان کے اندازِ بیاں، طرزِ کلام، چال چلن، انداز ونشست وبرخاست پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ اس لیے معلمین حضرات اپنے اندر ایسی عادات واطوار پیدا کریں جو دوسروں کے لیے باعثِ تقلید ہوں اور انھیں تمسخر کا نشانہ نہ بنایا جاسکے۔ چونکہ تعلیم کے میدان میں معلم کو ایک ماہر کی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے اس اعلیٰ معیار کو قائم رکھنے کے لیے ایک اچھے معلم پر چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

۱: استاد کے لیے پڑھاتے وقت ضروری ہے کہ خود بھی نشاط میں ہو اور اس کے ساتھ ساتھ متعلم کی نشاط کا بھی خیال رکھے اور اسے چاہیے کہ ایسے اوقات میں پڑھائے کہ پڑھنے کے لیے دل میں شوق اور نشاط ہو اور تنفر اور اکتاہٹ پیدا نہ ہو۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب قائم کیا ﴿باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم بالموعظة والعلم کی لا ینفروا﴾

۲: معلم کو چاہیے کہ دورانِ تدریس کسی شاگرد کے غیر متعلقہ سوال سے جواب آخر میں دے تاکہ دورانِ

سبق غیر متعلقہ باتوں سے درس میں خلل واقع نہ ہو اور ذہن منتشر ہو کر اصل مقصود فوت نہ ہو جائے۔
اسی طرح اگر سوال مناسب بھی ہو لیکن معلم جواب کو مؤخر کر کے درس کے آخر میں جواب دے، تو یہ بھی جائز ہے۔ اسکی طرف اشارہ امام بخاریؒ کی پیش کردہ حدیث سے ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مجلس میں باتیں کر رہے تھے، اسی دوران ایک اعرابی صحابیؓ نے قیامت کے وقوع کے متعلق سوال کیا، آپ ﷺ نے فارغ ہو کر جواب دیا۔

۳: اچھے مدرس کی خوبی یہ ہے کہ اس کا درس طلبا کے تینوں طبقوں یعنی غبی، متوسط اور ذہین کے معیار کے مطابق ہو، تاکہ کسی ایک طبقے کے طالب علم کو سمجھنے میں دقت نہ ہو اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے ﴿باب الفهم في العلم﴾ کے عنوان سے ترجمۃ الباب قائم کر کے واضح کیا کہ لوگ فہم فی العلم میں مختلف ہوتے ہیں لہٰذا استاد کو سب کی رعایت کرنی چاہیے۔

۴: دورانِ درس اگر طالبِ علم کوئی ایسا سوال کر لے جو استاد کو برا لگے تو استاد اسے ڈانٹنے کی بجائے تحمل سے کام لے کر اسے سمجھانے کی کوشش کرے اور اس کے ساتھ نرمی اور رفق کا معاملہ کرے جیسے کہ اس اعرابی صحابیؓ کے غیر متعلقہ سوال کے جواب میں آپ ﷺ نے عملی طور پر نرمی کے برتاؤ کا ثبوت دے دیا۔

۵: سوال وجواب کے دوران استاد مسئولہ مسئلہ کے علاوہ اس کے مناسب اور مسائل بھی بیان کرے تاکہ طالب علم تشویش کا شکار نہ ہو جیسے کہ نبی کریم ﷺ سے سمندر کے پانی سے وضو کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا ﴿هو الطهور ماءه والحل ميتته﴾

۶: معلم کے شاگرد اتنے ہونے چاہیے کہ وہ آسانی سے معلم کی آواز سن سکیں اور اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے ﴿باب من رفع صوته بالعلم﴾ کے عنوان سے ترجمۃ الباب قائم کیا۔ تعلیمی سوچ کے مطابق یہ بات وسائل پر مبنی ہے کہ زیادہ طلبہ کی بنسبت کم طلبہ کی تربیت آسان ہوتی ہے۔ اگر ایک جماعت میں طلبہ کی تعداد زیادہ ہو تو آواز پہنچانے کے لیے معلم لاؤڈ اسپیکر وغیرہ کا استعمال کر سکتا ہے تاہم کلاس اور جماعت پر دسترس حاصل کرنا معلم کے لیے ایک ضروری امر ہے۔

۷: مدرس کو طالب علم کے ساتھ حسنِ سلوک کا مظاہرہ کرنا چاہیے، یعنی اس کے درس میں جلال کی بجائے جمال ہونا چاہئے تاکہ طالب علم سوال پوچھنے میں حرج محسوس نہ کرے جیسے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب طالب علم تمہارے پاس آئے تو ﴿فقولوا لهم مرحبا﴾

۸: معلم تعلیم کے لیے ایام کی تخصیص کر سکتا ہے، ایسا کرنا بدعت کے قبیل سے نہیں ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ﴿باب من جعل لاهل العلم اياما معلومة﴾ (بقیہ صفحہ ۴۱ پر)

محترمہ کائنات فاطمہ

اسلام کا فلسفہ تعددِ ازواج

ایک سے زائد بیویاں کیوں؟
اور بیویوں کے لئے صرف ایک شوہر کیوں؟

کثیر ازواجی یا تعدد ازواج سے مراد شادی کا ایسا نظام ہے جس میں ایک شخص ایک سے زیادہ شریکِ زندگی رکھ سکتا ہے۔کثیر ازواجی دو قسم کی ہے 1 : کثیر ازواجی زنانہ :جس میں ایک مرد ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکتا ہے۔ 2 کثیر ازواجی مردانہ :جس میں ایک عورت ایک سے زیادہ شوہر رکھ سکتی ہے۔اسلام میں محدود حد تک زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے جبکہ ایک عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

اب ہم جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت کیوں دیتا ہے؟

قرآن محدود تعداد میں عورتوں سے شادی کی اجازت دیتا ہے

چنانچہ تم ان عورتوں سے شادی کرو جو تمہیں اچھی لگیں دو دو، تین تین یا چار چار (عورتوں) سے،لیکن اگر تم کو اس کا خوف ہو کہ تم (ان کے ساتھ) انصاف نہ کر سکو گے تو صرف ایک سے (نکاح کرو)۔(النساء 3/4)

نزولِ قرآن سے پہلے شادیوں کی تعداد محدود نہ تھی اور کئی مرد بیسیوں بیویاں رکھتے تھے۔اور بعض کی تو سینکڑوں بیویاں تھیں۔لیکن اسلام نے بیویوں کی تعداد 4 تک محدود رکھی ہے۔اسلام مرد کو دو، تین یا چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ وہ ان میں انصاف کر سکے۔اسی سورت، یعنی سورۂ نساء کی 129ویں آیت کہتی ہے:

تم عورتوں کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے۔(النساء 129/4)

اس لیے زیادہ شادیاں کرنا کوئی قانون نہیں بلکہ استثنا ہے۔ بہت سے لوگ یہ غلط نظریہ رکھتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ ایک مسلمان ایک سے زیادہ بیویاں رکھے۔

حلت و حرمت کے اعتبار سے اسلامی احکام کی پانچ اقسام ہیں:

☆ فرض :یہ لازمی ہے اور اس کا نہ کرنا باعث سزا و عذاب ہے۔

☆ مستحب :اس کا حکم دیا گیا ہے اور اس پر عمل کی ترغیب دی گئی ہے۔

☆ مباح :یہ جائز ہے، یعنی اس کی اجازت دی گئی ہے۔اس کا کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔

☆ مکروہ :یہ اچھا کام نہیں،اس پر عمل کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

☆ حرام :اس سے منع کیا گیا ہے،یعنی اس پر عمل کرنا حرام ہے اور اس کا چھوڑنا باعثِ ثواب ہے۔

ایک سے زیادہ شادیاں کرنا مذکورہ احکام کے درمیانے درجے میں ہے۔اس کی اجازت ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایک مسلمان جس کی دو،تین یا چار بیویاں ہیں،اُس سے بہتر ہے جس کی صرف ایک بیوی ہے۔

عورتوں کی اوسط عمر قدرتی طور پر لڑکے اور لڑکیاں تقریباً برابر پیدا ہوتے ہیں لیکن ایک بچی میں ایک بچے کی نسبت قوتِ مدافعت زیادہ ہوتی ہے۔ایک بچی بیماریوں کا ایک بچے کی نسبت بہتر مقابلہ کر سکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ ابتدائی عمر میں لڑکوں کی شرح اموات لڑکیوں کی نسبت زیادہ ہے۔

اسی طرح جنگوں میں عورتوں کی نسبت مرد زیادہ ہلاک ہوتے ہیں۔حادثات اور امراض کے باعث بھی عورتوں کی نسبت مرد زیادہ مرتے ہیں۔عورتوں کی اوسط عمر بھی مردوں کی نسبت زیادہ ہے اور دنیا میں رنڈوے مردوں کی نسبت بیوہ عورتیں زیادہ ہوتی ہیں۔

عالمی سطح پر عورتوں کی آبادی مردوں کی نسبت زیادہ ہے

امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت تقریباً 78لاکھ زیادہ ہے۔صرف نیویارک میں عورتیں مردوں سے 10لاکھ زیادہ ہیں،نیز مردوں کی ایک تہائی تعداد ہم جنس پرست ہے۔مجموعی طور پر امریکہ میں ہم جنس پرستوں کی تعداد اڑھائی کروڑ ہے۔اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کو عورتوں سے شادی کی خواہش نہیں، اسی طرح برطانیہ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے 40لاکھ زیادہ ہے۔جرمنی میں مردوں کی نسبت عورتیں 50لاکھ زیادہ ہیں،اسی طرح روس میں بھی مردوں کے مقابلے میں عورتیں 90لاکھ زیادہ ہیں۔فی الجملہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ دنیا میں مجموعی طور پر خواتین کی تعداد مردوں کی نسبت کتنی زیادہ ہے۔

ہر مرد کو صرف ایک شادی تک محدود رکھنا ناقابلِ عمل ہے اگر ایک مرد صرف ایک عورت سے شادی کرے تب بھی امریکہ میں تین کروڑ عورتیں بے شوہر رہیں گی (یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اڑھائی کروڑ امریکی مرد ہم جنس پرست ہیں۔) اسی طرح 40لاکھ برطانیہ میں، 50لاکھ جرمنی میں اور 90لاکھ روس میں ایسی عورتیں ہوں گی جنھیں خاوند نہیں مل سکے گا۔

فرض کریں کہ میری بہن امریکہ میں رہنے والی غیر شادی شدہ خواتین میں سے ہے یا فرض کریں آپ کی بہن وہاں اس حالت میں رہ رہی ہے۔اس مسئلے کے صرف دو حل ہیں کہ یا تو وہ کسی شادی شدہ مرد سے شادی کرے یا پھر پبلک پراپرٹی (اجتماعی ملکیت) بنے۔اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں۔جو عورتیں نیک ہیں وہ یقیناً پہلی صورت کو ترجیح دیں گی۔بہت سی خواتین دوسری عورتوں کے ساتھ اپنے شوہر کی شراکت پسند نہیں کرتیں۔

لیکن اسلامی معاشرے میں جب صورتحال گمبھیر اور پیچیدہ ہو تو ایک صاحب ایمان عورت اپنا معمولی ذاتی نقصان برداشت کر سکتی ہے مگر اس بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتی کہ اُس کی دوسری مسلمان بہنیں پبلک پراپرٹی یعنی اجتماعی ملکیت بن کر رہیں۔

شادی شدہ مرد سے شادی اجتماعی ملکیت بننے سے بہتر ہے۔ مغربی معاشرے میں عام طور پر ایک شادی شدہ مرد اپنی بیوی کے علاوہ دوسری عورتوں سے بھی جنسی تعلقات رکھتا ہے۔ ایسی صورت میں عورت ہتک آمیز زندگی بسر کرتی اور عدم تحفظ کا شکار رہتی ہے۔ دوسری طرف یہی معاشرہ ایسے مرد کو جس کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں قبول نہیں کرتا، حالانکہ اس تعدد ازواج کی صورت میں عورت پوری عزت اور حفاظت کے ساتھ نہایت باوقار زندگی بسر کر سکتی ہے۔ اس طرح عورت کے سامنے دو راستے رہ جاتے ہیں :یا تو وہ شادی شدہ مرد سے شادی کرے یا اجتماعی ملکیت بن جائے۔ اسلام پہلی صورت کو ترجیح دیتے ہوئے اسے باعزت مقام دلاتا ہے اور دوسری صورت کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی اسباب ہیں جن کے پیش نظر اسلام مرد کو ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت دیتا ہے۔ ان اسباب میں اصل اہمیت کی چیز عورت کی عزت و ناموس ہے جس کی حفاظت اسلام کے نزدیک فرض اور لازم ہے۔

ایک سے زیادہ شوہروں کی ممانعت کیوں؟ اگر اسلام ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت دیتا ہے تو وہ ایک عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے کی اجازت کیوں نہیں دیتا؟

بہت سے لوگ جن میں بعض مسلمان بھی شامل ہیں اس امر کی دلیل مانگتے ہیں کہ جب ایک مسلمان مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت ہے تو یہی حق عورت کو کیوں نہیں دیا گیا؟

سب سے پہلے میں یہ کہوں گی کہ اسلامی معاشرے کی بنیاد عدل اور مساوات ہے۔ اللہ نے مرد اور عورت کو برابر پیدا کیا ہے لیکن مختلف صلاحیتوں اور ذمہ داریوں کے ساتھ۔ مرد اور عورت جسمانی اور نفسیاتی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں، اس لیے کہ ان کے کردار اور ذمہ داریاں بھی مختلف ہیں۔ مرد اور عورت اسلام میں برابر ہیں لیکن ہو بہو ایک جیسے نہیں۔

سورۂ نساء کی آیات 22 تا 24 میں ان عورتوں کی نشاندہی کی گئی ہے جن سے مسلمان مرد شادیاں نہیں کر سکتے، مزید برآں آخری آیت 24 کے مطابق ان عورتوں سے بھی شادی ممنوع ہے جو شادی شدہ ہوں۔ مندرجہ ذیل نکات یہ حقیقت واضح کرتے ہیں کہ اسلام عورت کو ایک سے زیادہ مرد رکھنے سے کیوں روکتا ہے:

☆ اگر ایک آدمی کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان سے پیدا ہونے والے بچوں کے ماں باپ کی آسانی سے شناخت ممکن ہے۔ اس صورت میں بچے کی ماں اور باپ کی پہچان ہو سکتی ہے۔ ایک سے زیادہ شوہر

ہونے کی صورت میں پیدا ہونے والے بچوں کی ماں تو معلوم ہوتی ہے مگر باپ کا پتہ نہیں چل سکتا۔ اسلام ماں اور باپ دونوں کی پہچان کو بہت اہمیت دیتا ہے۔ ماہرینِ نفسیات کے نزدیک جو بچے اپنے والدین کو نہیں جانتے، خاص طور پر اپنے باپ کو، وہ بہت زیادہ ذہنی تکلیف، بے چینی اور کشمکش کا شکار ہوتے ہیں اور اکثر ایسے بچوں کا بچپن ناخوشگوار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ طوائفوں کے بچوں کا بچپن صحت مند اور خوشگوار نہیں ہوتا۔ ایسے تعلق سے پیدا ہونے والے بچے کو جب اسکول میں داخل کرایا جاتا ہے اور اس وقت ماں سے اس کے باپ کا نام پوچھا جاتا ہے تو اُسے دو یا اس سے زیادہ ناموں کا حوالہ دینا پڑتا ہے۔ میں مانتی ہوں کہ موجودہ سائنسی ترقی کی بدولت جین ٹیسٹ کے ذریعے سے ماں اور باپ کی شناخت ہو سکتی ہے، اس لیے یہ نکتہ جو ماضی میں موثر تھا ممکن ہے کہ اب نہ ہو لیکن بچوں کے ناخوشگوار بچپن اور ان کی ذہنی تکلیف کا مسئلہ بدستور برقرار رہتا ہے اور یہ وراثت، یعنی باپ کی جائیداد وغیرہ کی تقسیم کے مسئلے میں بھی پیچیدگی کا باعث بنتا ہے۔

☆ مرد فطری طور پر عورتوں کی نسبت متعدد شادیوں کا زیادہ خواہشمند ہوتا ہے۔

☆ جسمانی یا حیاتیاتی طور پر ایک مرد کے لیے کئی بیویاں رکھنے کے باوجود اپنے فرائض انجام دینا آسان ہوتا ہے جبکہ ایک عورت کے لیے جو ایک سے زیادہ شوہر رکھتی ہو بحیثیت بیوی اپنی ذمہ داریاں نبھانا ہرگز ممکن نہیں۔ ایک عورت ہر ماہواری کے دوران میں بہت سی نفسیاتی اور مزاج کی تبدیلیوں سے گزرتی ہے۔

☆ ایک عورت جس کے ایک سے زیادہ شوہر ہوں، اسے بیک وقت ایک سے زیادہ مردوں سے جنسی تعلقات رکھنے پڑیں گے تو اس کو بہت سی جنسی بیماریاں لگ سکتی ہیں جو وہ اپنے کسی شوہر کو منتقل کر سکتی ہے، چاہے اس کے تمام شوہروں کے دوسری خواتین سے غیر ازدواجی تعلقات نہ بھی ہوں لیکن یہ صورت حال مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی صورت میں پیش نہیں آتی۔

☆ اسلام نے عورت کو گھر کی ملکہ اور نگران بنایا ہے۔ وہ خاوند کی اولاد اور گھر کی دیکھ بھال کرتی ہے، اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ ایک سے زیادہ گھروں کی دیکھ بھال کر سکے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مرد کے اندر ایک فطری غیرت ہے، جو ہر سلیم الفطرت شخص کے اندر پائی جاتی ہے، کہ بیوی کے معاملے میں وہ کسی کی شراکت برداشت نہیں کرتا۔ یہ غیرت نہ صرف انسانوں میں ہے بلکہ حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے کہ وہ بھی اس معاملے میں شراکت برداشت نہیں کرتے۔ جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو بن میمون کے حوالے سے بندروں کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اسے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ میں یمن میں ایک ٹیلے پر اپنے خاندان کی بکریاں چرا رہا تھا کہ ایک بندر اور بندریا وہاں آئے۔ بندر نے بندریا کا بازو اپنے سر کے نیچے رکھا اور سو گیا۔ اس دوران ایک اور بندر آیا اور اس نے بندریا کو بہکایا اور وہ اس کے

ساتھ چلی گئی اور تھوڑا دور جا کر انھوں نے بدکاری کی، پھر بندریا واپس آئی اور اپنا ہاتھ بندر کے سر کے نیچے داخل کرنا چاہا تو وہ جاگ اُٹھا۔ اس نے اسے سونگھا اور چلانے لگا۔ کئی بندر اکٹھے ہو گئے، وہ مسلسل چلائے جا رہا تھا اور اس بندریا کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ بندر ادھر ادھر گئے اور اس بندر کو لے آئے جس نے بدکاری کی تھی۔ انھوں نے ان دونوں کیلئے ایک گڑھا کھودا اور انھیں رجم کر دیا۔ (فتح الباری 202/7 ؛ حدیث:3859) اسی طرح خنزیر کے علاوہ تمام جانوروں میں یہ غیرت کی حس موجود ہے۔ جب حیوان برداشت نہیں کر سکتے کہ انکی مونث کو کوئی اور نر جفتی کرے تو انسان اپنی شریکِ حیات میں شراکت کیسے برداشت کر سکتا ہے؟

یہ تمام وہ ظاہری وجوہ ہیں جن کا آسانی سے علم ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے اور بھی بہت سی وجوہ ہوں جن کا علم دانائے راز، اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہی کو بہتر طور پر ہو کہ اس نے عورت کو ایک سے زیادہ شوہر رکھنے سے کیوں منع کیا ہے۔

بقیہ صفحہ ۳۶ سے: **(امام بخاریؒ کے تعلیمی نظریات سے قدیم و جدید ماہرین تعلیم کا اتفاق)**

(۹) معلم فقط پڑھانے پر اکتفا نہ کرے بلکہ حفظ کرنے اور دوسروں تک منتقل کرنے کی ترغیب بھی کرتا رہے تاکہ تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہ سکے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے باب قائم کیا ﴿ باب تحریض النبی ﷺ وفد عبد القیس علی ان یحفظوا الایمان والعلم ویخبروا من وراء ھم﴾

(۱۰) معلم کسی کو پڑھانے سے انکار نہ کرے، ہر کسی کو پڑھائے، کیا معلوم کون زیادہ سمجھنے والا ہے۔ بعض اوقات شاگرد سمجھ بوجھ کے لحاظ سے اپنے استاد سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ایسے فوائد حاصل ہوں جو خود معلم حاصل نہ کر سکا ہو۔ اسی کی طرف اشارہ ﴿باب قول النبی ﷺ رُبَّ مبلغ اوعی من سامع﴾ سے ہوتا ہے۔

(۱۱) بوقتِ ضرورت اور بتقاضائے حالت معلم کے لیے غصہ کا اظہار بھی جائز ہے بلکہ کبھی کبھی مستحسن اور ضروری ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام بخاریؒ نے ﴿ باب الغضب فی التعلم والموعظة اذا رأی ما یکرہ﴾ کے عنوان سے ترجمۃ الباب قائم کیا۔

(۱۲) ایک معلم کے لیے طلبہ کی نفسیات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سبق پڑھانا ضروری ہے۔ درس میں اتنی طوالت بھی نہ ہو کہ طالب علم اکتا جائے اور اتنا اختصار بھی نہ ہو کہ غبی طلبہ سمجھ نہ سکیں۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے باب قائم کیا ﴿ باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم بالموعظة والعلم کی لا ینفروا﴾

(۱۳) معلم رسوخ فی العلم کی خاطر طلبہ کا امتحان لے سکتا ہے اور اسی کی طرف ﴿ باب طرح الامام المسئلة لیختبر ما عندھم من العلم﴾ سے اشارہ ہوتا ہے۔

(۱۴) استاد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے علم کی وجہ سے غرور اور تکبر کا شکار نہ ہو، کیونکہ ارشادِ ربانی ہے ﴿وما اوتیتم من العلم الا قلیلا﴾ اسی آیت کے مصداق کو دیکھتے ہوئے علم پر تکبر بعید از عقل ہے۔ (جاری ہے)

علامہ عبدالرشید عراقی ٭

اسلامی معاشرہ کے لازمی خدوخال

افادات: شیخ الحدیث مولانا سمیع الحق مدظلہ

اس کتاب کا اصل موضوع صلہ رحمی ہے، اور اسلام میں صلہ رحمی کا موضوع بہت بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسلام امن و امان اور پیار و محبت کا مذہب ہے۔ یہ اپنے ماننے والوں کو صلہ اور آپس کے انسانی حقوق کی پاسبانی کی تعلیم دیتا ہے۔ ایک حقوق اللہ ہیں، جن کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہے۔ دوسرے حقوق العباد ہیں، جن کا تعلق انسان کا آپس میں ہے۔ ان دونوں حقوق کی ادائیگی از بس ضروری ہے، جو انسانی حقوق کی ادائیگی میں پہلوتہی سے کام لے گا۔ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے مواخذہ فرمائے گا۔ لہٰذا حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اور انجام دہی ضروری ہے۔

اس کتاب کا پیش لفظ مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ نے تحریر فرمایا ہے، جو مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا حقانی لکھتے ہیں :

> ''صلہ کا مطلب ہے حسن سلوک، اخلاق میں' معاملات میں اور معاشرت میں اخلاق حسنہ کا پہلو حاوی رہے۔ یہی حسن سلوک ہے، یہی صلہ ہے، یہی نیکی ہے، یہی اچھائی ہے اور یہی مطلوب ہے۔ اسلام سراپا رحمت ہے، وہ یہی چاہتا ہے کہ تمام مسلمان اور تمام انسان آپس میں محبت' الفت' وارفتگی اور گرویدگی کا معاملہ رکھیں، ایک دوسرے کا احترام کریں، ایک دوسرے کی خدمت کریں، بغض و حسد اور عداوت و نفرت سے دور رہیں، اگر کوئی قطع تعلق کرے تو اس سے صلہ رحمی کریں، جوڑ پیدا کریں، اس سے بھلائی کریں''۔ (ص:۳۶)

یہ کتاب دراصل مولانا سمیع الحق مدظلہ کے درس حدیث (جامع ترمذی میں ابواب البر والصلہ) پر جو تفصیل سے عالمانہ' فاضلانہ اور محدثانہ بحث فرمائی ہے اس کو جمع کیا گیا ہے اور بقول مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ مزاج نبویؐ کے عین مطابق تعلیم و تربیت' اصلاح انقلاب اُمت' دعوت و ارشاد اور رُشد و ہدایت اور تہذیب و معاشرت میں اسلامی تعلیمات کو اپنا ہدف بنایا ہے۔

٭ نامور مصنف و ادیب و محقق لاہور

مولانا سمیع الحق حفظہ اللہ حدیث کی تشریح وتوضیح میں جو انداز اختیار کرتے ہیں، اس کے بارے میں مولانا عبدالقیوم حقانی رقمطراز ہیں کہ :

''میرے شیخ حضور اقدس ﷺ کی بارگاہِ رسالت میں اپنے دل، اپنی محبت، اپنے اخلاص، اور اپنی وفاؤں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں ۔ احادیث کے درس اور تشریح وتوضیح کے دوران ان کے علمی، روحانی، عملی اور محبت ووالہیت کے جوہر خوب کھلتے ہیں، علوم ومعارف اور معانی کے سوتے پھوٹ پڑتے ہیں وہ تمام حقائق ومعارف جو انہیں اپنے اساتذہ واکابر سے حاصل ہیں۔ بے حجاب اور بے نقاب ہوکر سامنے آتے اور خوب رنگ دکھاتے ہیں'' (ص:۳۷)

مولانا سمیع الحق حفظہ اللہ کے افادات کو جامعہ حقانیہ کے اُستاد مولانا مفتی عبدالمعصم حقانی نے جمع کیا ہے۔ مولانا عبدالمعصم کتاب کے آغاز میں فرماتے ہیں کہ :

''جس طرح کہ عالمگیر معاشرہ کے قیام کیلئے اس قسم کے مستحکم اور پختہ اصول لازمی ہیں اس طرح اسکی بقاء اور اس کی خوشحالی کیلئے زرین تعلیمات ناگزیر ہیں اور معاشرہ کی خوشحالی اور اسکے امن وامان کیلئے اصل چیز اخلاق کی درستگی ہے۔ پس جناب رسول اللہ ﷺ نے اخلاق کی درستگی پر زور دیا اور فرمایا: ''انی بعثت لاتمم مکارم الأخلاق'' بے شک میں بہترین اخلاق کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہوں ۔اور یہ صرف ایک دعویٰ نہیں تھا بلکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول وعمل سے اور اپنی تعلیمات سے اسکی بہترین مثال قائم فرمائی اور تھوڑی سی مدت میں دنیا کا نقشہ بدل دیا۔ بقول مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، آپ ﷺ کی بعثت کے بعد دنیا بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا شعلہ بھڑکا، للّٰہیت کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہے اور درودیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے اس طرح بعثت محمدی ﷺ کے بعد قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا۔ انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہو گئی۔ یہ انقلاب عظیم رسول اللہ ﷺ کا عظیم معجزہ اور آپ ﷺ کی رحمۃ للعلمینی کا کرشمہ ہے''۔ (ص:۴۴)

یہ کتاب (۸۶) ابواب پر مشتمل ہے۔

اپنے موضوع کے اعتبار سے یہ کتاب بڑی جامع' عمدہ اور لائق مطالعہ ہے۔ اس کتاب کا ہر مسلمان مرد اور عورت کو مطالعہ کرنا چاہیے اور خاص کر نوجوانوں کو اس کتاب کے مطالعہ کی ترغیب دینی چاہیے۔

یہ کتاب مولانا عبدالقیوم حقانی حفظہ اللہ نے اپنے اشاعتی ادارہ القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ سے شائع کرکے ایک بہت بڑی دینی خدمت انجام دی ہے۔ صفحات :۴۰۰ ، سن اشاعت رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ/ اگست ۲۰۱۲ء۔

مکتوبات مشاہیر کے بعد جامعہ دارالعلوم حقانیہ کا ایک اور علمی روحانی اور دعوتی شاہکار

خوشخبری

منبر حقانیہ سے

خطباتِ مشاہیر

تقریباً پون صدی پر مشتمل عرصہ میں جامعہ حقانیہ میں آئے ہوئے اساطین علم و فضل و محدثین و مشائخ

و اکابرین امت ارباب تصوف و سلوک، نامور خطباء و دعاۃ، ائمہ رشد و ہدایت، مصلحین، سیاسی زعماء، اساتذہ و مشائخ

جامعہ حقانیہ کے منبر و محراب پر کیے گئے خطبات وارشادات کا مجموعہ جس کی ضبط و ترتیب و تبویب اور توضیح و تدوین کا کام

مولانا **سمیع الحق** مدظلہ

بذات خود انجام دے رہے ہیں۔ ہزاروں صفحات اور کئی جلدوں پر مشتمل علم و معرفت وعظ وارشاد کا یہ عظیم الشان

مجموعہ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے

ناشر: موتمر المصنفین جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

بحث ونظر: ڈاکٹر محمود الحسن عارف *

حقائق سے چشم پوشی کیوں؟

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے حوالے سے ماہنامہ ''الحق'' میں شائع ہونے والے اعتراضات کا جائزہ

مولانا شاہ سعید رائپوریؒ اوران کے افکار ونظریات کے حوالے سے ''الحق'' میں بہت کچھ شائع ہوا ہے چونکہ بحث کا آغاز بھی ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب کے ایک تعزیتی وسوانحی مقالے سے ہوا تھا اب اس کا اختتام بھی ان کے جوابی مضمون سے ہورہا ہے۔ڈاکٹر صاحب کے مضمون کا آخری حصہ آئندہ شمارے میں شائع کرنے کے بعد ادارہ مزید اس موضوع پر کسی قسم کی تحریر شائع کرنے سے معذرت خواہ ہوگا۔ادارہ کا ہرگز اس سے کسی کی توہین اور تحقیر کرنا مراد نہیں تھا بلکہ ادارہ اخلاقی دائرے میں رہ کر سنجیدہ مکالمے پر یقین رکھتا ہے۔جس سے قارئین پر غور وفکر اور ماضی وتاریخ کے دریچے کھلتے ہیں۔بہر حال دونوں اطراف اور حلقوں سے ادارہ ہر طرح کی دل آزاری پر معذرت خواہ ہے۔(ادارہ)

راقم الحروف نے مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی وفات پر جو تعزیتی مضمون لکھا اور جو ماہنامہ الحق کے شمارے ۵٦٦ میں چھپا،اس پر مولانا عبدالحکیم اکبری صاحب نے طویل نقد کیا ہے...... جو مکمل طور پر نقد نگار کے منفی فکر کی غمازی کرتا ہے ،راقم نے یہ مقالہ چونکہ مناظرانہ مقصد کے لیے نہیں لکھا تھا اور راقم کا مقصد مولانا شاہ سعید رائے پوریؒ کی خدمات کو خراج تحسین ادا کرنا تھا،اس لیے اس پر راقم کو اس قسم کے نقد کی قطعا توقع نہیں تھی ، جو کہ نقد کے جوابی مضمون میں نظر آتا ہے۔

راقم الحروف نے بحمداللہ ۱۹۷۰۔۱۹۷۲ء میں دارالعلوم کبیر والہ میں تعلیم حاصل کی اور دورہء حدیث جامعہ اشرفیہ لاہور سے کیا۔مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ،مولانا محمد موسیٰ خانؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی دامت برکاتہم ،مولانا محمد منظور احمدؒ اور مولانا صوفی سرور جیسے علماء اور اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل کیا۔

راقم کے اساتذہ نے ہمیشہ اپنے بزرگوں کا ادب واحترام سکھایا ہے اور یہ بتایا کہ اپنے بزرگوں کا اختلاف

---

* صدر شعبہ دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

کے باوجود احترام کرو...... اور یہی بات راقم نے ......قرآن وسنت میں پڑھی اور مطالعہ کی ہے، خاص طور پر...... وفات پانے والے لوگوں کے بارے میں خصوصی طور پر حکم دیتا ہے ...... کہ ان کی اچھائیوں کا ذکر کرو اور ان کی کوتاہیوں سے صرف نظر کرو...... ارشاد نبوی ہے: اذکرو محاسن امواتکم وکفوعن مساویهم (۱)

"وفات پانے والوں کے محاسن کا ذکر کرو...... اور ان کی برائیوں کے ذکر سے اجتناب کرو"

شاید...... نقد نگار کو کوئی ایسی حدیث مل گئی ہوگی جس میں یہ ذکر ہوگا کہ وفات پانے والوں کی برائیاں بیان کرو۔ اور ان کے محاسن بیان کرنے سے اجتناب کرو۔ اسی لیے تو ......ان کی طرف سے مولانا شاہ سعید رائے پوریؒ کے متعلق ایسا مضمون لکھا گیا ہے جس میں انہوں نے مولانا کی طرف وہ باتیں بھی منسوب کردی ہیں جو انہوں نے نہیں کیں۔

علاوہ ازیں قرآن وحدیث میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر تمہیں کسی کے بارے میں کوئی خبر ملے تو اس کی تحقیق کرلیا کرو (۲)۔ اور یہ بھی کہ اگر تمہیں کوئی شخص سلام کرے تو اسے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے (۳) اسی طرح ارشاد نبوی ہے کہ آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات آگے نقل کردے (۴)

اور نقد نگار نے جن باتوں کا اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے وہ ایسی ہی ہیں جو نقد نگار نے محض لوگوں سے سن سنا کر نقل کردی ہیں اور انہوں نے ان کی تحقیق یا تصدیق کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ ابتدا میں یہ واضح کرنا بھی مناسب ہوگا کہ راقم الحروف کو مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے ذاتی طور پر عقیدت رہی ہے اور انہیں راقم الحروف اپنا روحانی بزرگ تصور کرتا ہے، لیکن راقم الحروف اپنی ملازمت کی مجبوریوں وجہ سے کبھی مولانا کی فکر ولی اللہی کا رکن نہیں رہا۔ اب ہم اختصار کے ساتھ نقد نگار کے مضمون میں موجود کچھ اور پر اپنا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں:

۱) مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی جانشینی کا مسئلہ

نقد نگار نے اپنے دوسرے مضمون میں جو الحق کے شمارے ۱۷۵ میں چھپا مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کی شاہ عبدالعزیز رائے پوری کی جانشینی کا سوال بھی اٹھایا ہے اور لکھا ہے مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے اپنے چھوٹے برخوردار عبدالقادر عزیز کو اپنا جانشین بنایا...... اس سے بڑا جھوٹ شاید کسی غیر مسلم نے بھی نہیں بولا ہوگا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ محترم عبدالقادر عزیز نے آخری دنوں میں اپنے والد بزرگوار مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی جو خدمت کی وہ قابل رشک وتحسین ہے۔ اس نوجوان نے مولانا رائے پوری سومؒ کی خدمت میں اپنا آرام اور سکون قربان کردیا۔ وہی حضرت کو ہاتھ روم میں لے جاتے اور وہی ان کو اٹھاتے بٹھاتے تھے۔ اس حوالے سے حلقے میں ...... ان کا بے حد احترام ہے اور رائے پوری حلقے کے تمام لوگ ان کی بے حد عزت کرتے ہیں لیکن کیا...... مولانا رائے پوری نے ان کو اپنا جانشین تو دور کی بات ہے، انہیں اپنی طرف سے اجازت وخلافت

دی تھی؟ یقیناً اس سوال کا جواب نفی میں ہے۔ علاوہ ازیں رائے پوری سلسلے کے تمام بزرگ ...... اعلیٰ ترین دینی علم رکھتے اور دینی تعلیم و تربیت کے بلند مقام پر فائز تھے جبکہ مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کے خاندان میں ...... مولانا سعید احمد رائے پوری کے علاوہ ان کا کوئی فرزند دینی تعلیم حاصل نہیں کر سکا۔ اس لیے بھی محترم عبدالقادر در عزیز کا جانشینی کا استحقاق نہیں بنتا۔

پھر لطف کی بات یہ ہے کہ خود محترم عبدالقادر عزیز نے بھی اپنی جانشینی کا اعلان نہیں کیا اور نہ ہی کم از کم میرے علم کے مطابق مولانا رائے پوری سوم کے خاندان کے کسی فرد نے ...... مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ سے اختلاف کے باوجود کبھی ایسا دعویٰ کیا ہے۔

مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری نے مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ کی پوری زندگی اور ان کے سفر و حضر میں ان کی نمازوں میں امامت کرائی ہے۔ حتیٰ کہ مولانا رائے پوری سومؒ کی بیماری کے ایام میں بھی مولانا سعید احمد رائے پوریؒ ہی نمازوں کی امامت کراتے رہے اور پھر مولانا عبدالعزیز کا اپریل ۱۹۸۸ء کا وہ سفر بھارت کس کو یاد نہیں جس کے دوران ۱۵ اپریل ۱۹۸۸ء/۱۴۰۹ھ کو جمعۃ المبارک کے دن ہزار ہا افراد کی موجودگی میں خانقاہ رحیمہ رائے پور بھارت میں انہوں نے مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

یہ واقعہ پاکستان اور بھارت کے کئی اخبارات اور رسائل و جرائد میں رپورٹ ہوا اور اس واقعے کو جھٹلانا سورج کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ اس کے بعد بھی مولانا رائے سوم بفضلہٖ تعالیٰ ۳۔ جون ۱۹۹۲ء تک حیات رہے۔ اس دوران میں بھی مولاناؒ کی طرف سے نہ تو اس جانشینی کی تنسیخ اور محترم عبدالقادر عزیز کی مسند نشینی کا اعلان ہوا اور نہ ہی مولانا کے خاندان ...... یا حلقے کی طرف سے کوئی ایسا موقف سامنے آیا۔ غالباً ایسی صورت حال کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مدعی سست گواہ چست۔

جہاں تک مولانا کے جسد خاکی کو رائے پور (بھارت) لے جانے کا تعلق ہے تو اس کے لیے پورے خاندان نے کوششیں کیں اور اس میں شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے کردار کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ...... مولانا نہ صرف یہ کہ ان کوششوں میں خاندان کے ساتھ شریک رہے بلکہ ...... مولانا کے جسد خاکی کے ہمراہ رائے پور بھارت بھی گئے ...... اور وہاں ہزاروں افراد سے بیعت لی۔

تاریخ کے اس روشن واقعے کو...... کون مسخ کر سکتا ہے؟

مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی تدفین کا مسئلہ

نقد نگار نے اگرچہ راقم الحروف پر یہ الزام لگایا ہے کہ میں نے ماضی کی تلخ باتوں کو سمیٹ سمیٹ کر مضمون کو بوجھل اور متنازعہ بنا دیا ہے لیکن ...... شاید انہوں جو کچھ خود لکھا ہے اس کو خود نہیں پڑھا اس لیے کہ یہ کام تو

......انہوں نے خود بڑے اہتمام سے اور بڑے شاندار طریقے پر کیا ہے۔

انہوں نے وہ باتیں، جو ماضی کی یادوں کے قبرستان میں مدت ہوئی دفن ہو چکی ہیں ان باتوں کو شامل مضمون کر کے مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری اور شاہ سعید احمد رائے پوری پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے، ایسی باتوں میں مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی تدفین کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ نقد نگار کی طرح بہت سے علمائے کرام کو بھی یہ علم ہی نہیں کہ اصل مسئلہ کیا ہے؟ اور مسئلہ مولاناؒ کے جسد خاکی کی رائے پور (بھارت) میں لیجا کر تدفین کا تھا، یا محض شریعت کے مطابق تدفین کا۔

اصل میں ہوا یہ تھا کہ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری نے اپنی وفات سے پہلے یہ وصیت کی تھی کہ ان کے مرنے کے بعد ان کے جسم کو...... رائے پور میں ان کے استاد و مربی مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے پہلو میں دفن کیا جائے اور یہ بھی چونکہ شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی خواہش کے مطابق تھا کہ انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ مولوی صاحب جی یوں چاہتا ہے کہ ہم زندگی میں اکٹھے رہے تو مرنے کے بعد بھی ہم اکٹھے رہیں۔

چنانچہ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اپنے پاکستانی عقیدت مندوں کے شدید اصرار پر اپنی خانقاہ رائے پور سے اس وعدے پر لاہور میں آئے تھے کہ پاکستانی حضرات خصوصا انکے جانشین حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ پر یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ انہیں رائے پور واپس لے جائیں گے۔ وہ اس وقت اپنی خانقاہ کو چھوڑنا پسند نہیں فرماتے تھے کہ جہاں انہوں نے اپنی عمر کے تقریباً ساٹھ سال بسر کیے تھے چنانچہ انہوں نے لاہور پہنچنے کے چند روز بعد ہی واپسی کا تقاضا کرنا شروع کر دیا۔ اور جس قدر بیماری میں اضافہ ہوتا گیا اسی قدر واپسی کے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی گئی، یہاں تک کہ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ //۱۶ ۔اگست ۱۹۶۲ء کو مولانا کا لاہور میں انتقال ہو گیا۔

اور پھر وہی ہوا جس کا مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کو اندیشہ تھا۔ اس وقت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ موقع پر موجود نہ تھے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے متوسلین اور رشتہ دار مولانا کے جسد خاکی کو ڈھڈیاں ضلع سرگودھا لے گئے۔ جہاں پہلے مسجد کے حجروں کے صحن میں سطح زمین پر، جو کہ گاؤں کے قبرستان سے بیس پچیس فٹ بلند ہے، قبر کھودے بغیر سوا فٹ اونچا سمینٹڈ (semented) چبوترہ بنایا گیا پھر مولانا رائے پوریؒ کے جسد خاکی کو تقریباً سوا دو فٹ اونچے چوبی تابوت میں روئی بچھا کر رکھ دیا گیا۔ اور اوپر سے لکڑی کے تختوں کو آہنی میخوں کے ساتھ ہتھوڑے چلا چلا کر تابوت کو بند کر دیا گیا۔

اس کے بعد اس تابوت کو چبوترے پر رکھ کر چاروں طرف پختہ دیواریں تابوت سے ملحق بنا کر اوپر سے سیمنٹ کی ڈاٹ لگا دی اور اوپر سے مٹی ڈال دی گئی۔ اس طرح مولانا کے جسد خاکی کو چار دیواری میں گویا حفاظت

سے رکھ دیا گیا۔اوراس غیر شرعی طرز تدفین اختیار کرنے کی بناء پر حضرت کے متوسلین ایک مٹھی بھر مٹی ڈالنے کی سعادت سے محروم رہے۔ اور تمام لوگ ناراض ہو کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے...... ظاہر ہے کہ یہ طریقہ تدفین کے شرعی طریقے کے خلاف ہے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو بھی اس طرح نہیں رکھا گیا بلکہ قبر کھود کر اس دفن کیا گیا تھا۔

اس حوالے سے مولانا شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کی متابعت میں خانقاہ رائے پور کا موقف یہ تھا کہ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی شرعی طور پر تدفین نہیں ہوئی۔لھذا انکے تابوت کو...... کمرے سے نکال کر باقاعدہ دفن کیا جائے اور یہ بات مولانا کے روحانی سلسلے کے ہر فرد پر ضروری ہے کہ وہ ان کی شرعی تدفین کے کوشش کرے۔

پھر جب ان کے تابوت کو کمرے سے نکال لیا جائے۔ جسے بعد ازاں قبر کا عنوان دے دیا گیا ہے تو اس کے بعد بہتر یہ ہو ہوگا کہ ان کے جسم کو ان کی مرضی اور خواہش کے مطابق خانقاہ رحیمیہ رائے پور بھارت میں لیجا کر دفن کیا جائے۔ یہ مسئلہ مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے بطور جانشین مولانا شاہ عبدالقادرؒ اٹھایا تھا اور وہی اس کا استحقاق بھی رکھتے تھے۔جن بزرگوں کا نقد نگار صاحب نے نام لیا ہے ان سب بزرگوں نے اصل حقیقت معلوم ہو جانے کے بعد اپنے سابقہ فتوے/موقف سے رجوع کر لیا تھا۔

دوسری طرف...... مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے کچھ رشتہ داروں نے اس مسئلے کو اپنی ذاتی انا کا مسئلہ بنالیا اور ان لوگوں نے یہ مضمون لکھ کر کہ...... مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی شرعی طریقے پر تدفین ہو چکی ہے اور یہ کہ اب ان کی قبر مبارک کو کھولنا نبش (قبر کی کھدائی) ہے جو شرعا درست نہیں، مختلف علماء کرام اور مفتی حضرات سے فتوے حاصل کر لیے، مگر یہاں صورت حال...... نبش (قبر کشائی) کی سرے سے تھی ہی نہیں۔

مولانا مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ نے...... جب یہ صورت حال علماء کو لکھ کر بتائی کہ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی تو شرعی طریقے پر تدفین ہی نہیں ہوئی تو بھارت اور پاکستان کے اکابر علماء کا موقف یہ تھا کہ قبر کو کھود کر اس کی دوبارہ تدفین کی جائے اور بہتر یہ ہوگا کہ مولانا مرحوم کی خواہش اور وصیت کے مطابق رائے پور میں کی جائے...... اس بارے میں بڑے بڑے علماء کرام سے فتوے حاصل کیے گئے جن کی مجموعی تعداد چالیس کے قریب ہے اس فہرست میں۔ مفتی مسعود احمد نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، مفتی جمیل الرحمان نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، سید مہدی حسن، مفتی دارالعلوم دیوبند، مولانا محمود اللہ امام مسجد جامع مسجد فتح پوری، سید عبد لدائم الجلالی، مفتی مدرسہ عالیہ فتح پوری، سید حمید امام جامع مسجد دہلی، مولانا عبید الرحمان مدرسہ امینیہ دہلی، اور دوسرے بیسیوں علمائے کرام کے نام شامل ہیں۔ جبکہ پاکستان سے مولانا الیف اللہ عثمانی خطیب جامع مسجد بلاک ۲۳ سرگودھا، مولانا سید عبد الشکور ترمذی ساہی وال سرگودھا، مولانا مفتی عبد الرشید مفتی دارالعلوم راجہ بازار

روالپنڈی، مولانا عنایت اللہ شاہ گجراتی وغیرہ شامل ہیں (۵)

اس کے علاوہ ۱۹۔ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو حکومت ہند نے پاکستان سے مطالبہ کر دیا کہ مولانا شاہ عبد القادر رائے پوری انڈیا کے شہری تھے اور وہ یہاں ملنے کے لیے آئے ہوئے تھے اور ان کی یہ تمنا تھی کہ انہیں ہندوستان میں دفن کیا جائے، لہذا انڈین ہائی کمشن نہایت شکر گذار ہوگا کہ حکومت پاکستان مولانا کے جسد خاکی کو ان کے ہندوستان کے متوسلین کے سپرد کردے تاکہ انہیں ان کی خواہش کے مطابق رائے پور میں دفن کیا جائے مگر حضرت کے ان متوسلین جنہوں نے ان کی مرضی کے خلاف ان کی یہاں نام نہاد تدفین کی تھی، انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کردیا۔ اور جواب میں یہ مضمون لکھ کر...... کہ مولانا رائے پوری کی تدفین ہو چکی ہے اور اب ان کی لاش کو نکالنا نبش قبر ہوگا جو کہ جائز نہیں ارسال کردیا۔

اس صورت میں مولانا رائے پوری سوئم نے ہمت نہیں ہاری اور وہ ۔۱۹۷۱ میں بذات خود انڈیا تشریف لے گئے ...... اور قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ملاقات کی اور ساری صورت حال ان کو بتائی جس پر مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہ نے پاکستان اور بھارت کی حکومتوں کو...... ایک طویل اور مفصل خط لکھا...... جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

''بعد وفات مولانا عبد القادر رائے پوری کی تدفین جو نوعیت اختیار کی گئی ہے اس کے بارے میں تمام مفتیان کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ تدفین شرعی نہیں ہوئی، بلکہ قطعاً ناجائز طریق پر ہوئی۔ تابوت زمین پر رکھ کر تابوت سے ملحق اسپر ڈاٹ لگا دینا اور اسے مٹی سے چھپا دینا قطعاً ناجائز طریقہ تھا اور شرعاً ضروری ہے کہ اسے کالعدم کر کے صحیح تدفین کی جائے۔ قبر کھود کر اس میں طریق سنت کے مطابق جو امت کا سلف سے لیکر خلف تک متفقہ معمول ہے دفن کیا جائے ورنہ یہ حضرات جو اس ناجائز طریقہ کے مرتکب ہونے کی وجہ سے گناہگار ہوئے گناہگار ہی رہیں گے۔

موجودہ صورت قبر ہرگز شرعی قبر نہیں ہے اس سے تابوت کا منتقل کرنا یا کیا جانا نہ تو نبش (قبر کا اکھاڑنا) ہے کیوں کہ وہ قبر ہی نہیں۔ اور نہ ہی میت کی ہتک حرمت ہے کیوں کہ ہتک حرمت خود یہ مبتدعا طریقہ ہے جو اختیار کیا گیا ہے نہ کہ اس کا بدلنا۔ کہ وہ حفظ حرمت ہے نہ کہ ہتک حرمت۔

اس ناجائز طریقہ کے اختیار کرنے کے جو اعذار سیم وغیرہ بیان کیے گئے ہیں، فتاوی میں انہیں ناقابل التفات قرار دیا گیا ہے اس ناجائز تدفین کو جو تدفین ہی نہیں ہے، کالعدم کر کے جائز تدفین کے لیے نعش کو ایک بلدہ سے دوسرے بلدہ کی طرف منتقل کرنے کی اجازت بھی فتاوی میں موجود ہے۔ صحیح اور جائز تدفین ہو جانے کے بعد بھی ممتاز اور مقدس علماء وصلحا کی میت کی منتقلی میں تامل نہیں جس کی نظیر سلف وخلف میں ملتی ہے چہ جائیکہ ناجائز

تدفین کی صورت میں انتقالیت قابل تامل ہو۔

فتوی صادر فرمانے والے ہندو پاک کے تیس چالیس علماء ومفتیان کرام کی دلی آواز بھی (علاوہ حکم شرعی کے) فتاوی کے اسلوب بیان سے یہ ہے کہ موجودہ صورت کو ختم کیا جائے۔

کتنے ہی سچ خواب اور منامات صادقہ اور کتنے ہی غیبی اشارات جو اس افسوس ناک طرز تدفین اور محل تدفین کے بارے میں اب تک سامنے آچکے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کی روح اس حبس بے جا سے جو اس غلط اور ناجائز طریقہ کی تدفین سے تابوت کو زمین پر رکھ کر اور اوپر سے سیمنٹ ڈاٹ لگا کر اور اسکے اوپر مٹی چڑھا کر عمل تدفین لایا گیا ہے انتہائی بے چین ہے۔ان نتائج کے پیش نظر سب سے پہلے حکومت پاکستان سے ہماری مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ اس ناجائز صورت دفن کو ختم کرنے اور جائز بلکہ واجب صورت تدفین کو عمل لانے کے لیے اپنے اثر ورسوخ سے کام لے۔

شرعی گنجائش کے تحت جو فتاوی میں موجود ہیں اور دونوں بزرگوں کی وصیتوں کے تحت شاہ عبد القادر صاحب قدس سرہ کے تابوت مبارک کو رائے پور (ہندوستان) پہنچا کر پیر ومرید اور اصل ونائب کو پہلو بہ پہلو چین سے آرام کرنے کا موقع عنایت فرمائے۔

حکومت ہند سے ہماری نیاز مندانہ گذارش ہے کہ وہ اس مقدس تابوت کو جو کسی معمولی یا عامی انسان کا نہیں ہندوستان لانے کی اجازت مرحمت فرمائے جس سے انہیں بادل نخواستہ جدا کیا گیا۔

ہمیں امید ہے کہ دونوں ہم جوار حکومتیں ہماری اس صد کو صدابصحراء نہ ہونے دیں گی۔

فتاوی کی روشنی سے حاصل کردہ یہ چند دردمندانہ سطور ہم دونوں حکومتوں کے سامنے پیش کر کے توقع رکھتے ہیں کہ دونوں ہماری اس آرزو کو پامال نہیں ہونے دیں گی۔اور ہمیں دعا گوئی کا موقعہ عنائت فرمائیں گے۔

(دستخط)

قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۶۔جنوری ۱۹۷۱۔

پاکستان میں اس کا ردعمل:

مولانا قاری محمد طیب قاسمی...... کے اس تفصیل خط کی روشنی میں پاکستان بھر کے علمائے کرام کی رائے بھی تبدیل ہوگئی چنانچہ ان اس فتوی/ سفارش کی تائید سب سے پہلے مفتی محمود (اس وقت کے ممبر قومی اسمبلی) مولانا عبد الحکیم (جامعہ فرقانیہ مدنیہ، راولپنڈی) نے کی جبکہ مولانا غلام غوث ہزاروی نے اس پر یہ لکھا کہ ان حضرات سے زیادہ فقہ حنفی کا کون واقف ہوسکتا ہے۔

اس فتوی کی روشنی میں مولانا محمد یوسف بنوریؒ......اور مفتی ولی حسن ٹونکی، مفتی احمد الرحمان، سید مصباح

اللہ شاہ، مفتی عبدالقیوم، اوردارالعلوم مدرسہ عربیہ اسلامیہ، نیوٹاؤن کے تمام اساتذہ کرام نے اپنی رائے سے رجوع کرلیا اور لکھا کہ عارف باللہ حضرت اقدس مولانا عبد القادر رائے پوری کی تدفین کا مسئلہ دوبارہ زیر بحث آیا اوردوبارہ تمام پہلوؤں پرغور کرنے کا موقع مل گیا۔غوروخوض کے بعد جن نتائج پر پہنچے وہ حسب ذیل ہیں۔

(الف) موجودہ صورت میں تدفین شرعی نہیں ہوئی، بلکہ وضع علی الارض کی صورت ہے۔

(ب) تدفین سے قبل نقل مکانی کی گنجائش موجود ہے۔

(ج)ان دونوں وجوہ کی بناپر تابوت منتقل کرنا اورشرعی تدفین کرنا بالکل درست ہے۔

(د)اس سلسلے میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اور مفتی محمود صاحب نے اس کی تائید فرمائی ہے، ہم بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں اور سابقہ تحریر سے رجوع کرتے ہیں:

دستخط

(مولانا یوسف بنوریؒ واساتذہ کرام)

۸۔ربیع الاول ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء

قاری محمد طیب، مولانا مفتی محمود اور مولانا یوسف بنوری رحمہم اللہ تعالی کی تائید وتوثیق کے بعد پاکستان کے تمام قابل ذکر اساتذہ کرام اور مفتی حضرات نے جن میں نقد نگار صاحب کی مادر علمی مدرسہ قاسم العلوم ......اور اس کے علاوہ دارالعلوم کبیر والہ مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ...... دارالعلوم حنفیہ چکوال اوردیگر مدارس شامل ہیں، نے اس کی توثیق کردی۔

یہ تمام فتاویٰ مجموعہ فتاوی علمائے دیوبند پاکستان دوبارہ محفوظیت تابوت جسد مبارک شاہ عبدالقادر رائے پوری مرتبہ مفتی محمد یحیی فاضل مظاہرالعلوم وغیرہ میں موجود ہے اور پوری طرح مستند ہے۔راقم الحروف کواس کا ایک نسخہ مفتی عبدالخالق صاحب نے مرحمت فرمایا جس کے لیے میں ان کا شکر گذار ہوں۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مولانا شاہ عبد العزیز رائے پوریؒ کا موقف قرآن وسنت اور پاکستان وہند کے تمام مفتیوں کے فتاوی کے عین مطابق تھا اور مولانا مفتی محموداور مولانا محمد یوسف بنوری سمیت تمام علماء کرام ...... کی تائید وتوثیق کا مطابقت تھا اور قاری محمد طیب کے مطابق جن حضرات نے شاہ عبد القادر رائے پوری کی غلط تدفین کی ہے وہ اس کی بناء پر گنہگار ہوئے ہیں جبتک اسکو درست نہیں کیا جاتا وہ گنہگار رہیں گے۔

ثانیا یہ کہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ تو خوداس کی تائید وتوثیق کرنے والے بزرگ ہیں پھر مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری ...... ان کے بارے غلط زبان کیوں استعمال کریں گے۔کم ازکم میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ نے میرے سامنے کسی بھی مجلس میں مولانا بنوری ......کو برا بھلانہیں کہا۔

اسی ...... طرح مولانا محمد الیاس بانی تبلیغی جماعت کے متعلق بھی کم از کم میں نے ...... مولانا کی زبان سے کبھی ان کی برائی نہیں سنی ...... البتہ تبلیغی جماعت کے متعلق ان کا موقف اصولی تھا...... مولانا سعید احمد رائے پوریؒ کو مولانا محمد الیاس سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ مولانا نے اپنی اوائل عمری میں، ان سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا تھا اور پاکستان میں ایسے علمائے کرام بہت ہی کم ہیں جنہیں یہ شرف حاصل ہوا ہو۔ اس لیے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے استاذ محترم کی برائی کرے۔

اس کے برعکس مولانا سعید احمد رائے پوریؒ مولانا محمد الیاس کے مکتوبات کے حوالے سے یہ ثابت کرتے تھے کہ مولانا محمد الیاس نے تبلیغی جماعت کی تاسیس جن اعلیٰ مقاصد و مطالب کے لیے کی تھی مرور ایام سے تبلیغی جماعت اپنے ان مقاصد سے ہٹ چکی ہے۔

مولانا رائے پوریؒ کے مطابق ...... مولانا محمد الیاسؒ نے ...... اپنے خطوط میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیں جو تبلیغی جماعت کی علمی اور فکری نگرانی کرے اور جب اور جہاں ضرورت ہو اس کی رہنمائی کرے...... اور یہ کہ مولانا محمد الیاس کا مقصد یہ تھا کہ تبلیغی جماعت کے ذریعے دیہاتوں اور شہروں کے کم علم لوگوں کو ...... دینی مدارس اور مسجد میں کام کرنے والے علمائے کرام سے منسلک کردیں۔ تاکہ وہ ان سے زندگی میں رہنمائی حاصل کرسکیں۔

اسی طرح مولانا یہ فرماتے تھے کہ اس وقت تبلیغی جماعت کی انتظامیہ پر دنیا دار قسم کے لوگوں نے قبضہ کر لیا ہے اور علماء کے تبلیغی جماعت میں داخلے کو مشکل بنا دیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ان پڑھ شخص جب تبلیغی جماعت میں آتا ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ تین چلے (چار ماہ ۱۲۰) دن لگائے، مگر علمائے کرام کے لیے دو سال لگانا ضروری ہیں۔ اب ایک عام عالم کے لیے جو پہلے ہی ۸۔۹ سال لگا کر فراغت حاصل کرتا ہے مزید دو سال کا لگانا کس قدر مشکل ہے، اس کا اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں جو خود اس مرحلے سے گذر چکے ہوں۔ ان کا خیال تھا کہ ان دو سالوں میں چونکہ تبلیغی جماعت میں نہ تو درس قرآن ہوتا ہے اور نہ ہی درس حدیث اس لیے وہ دو برسوں میں تمام پڑھا ہوا بھول جاتا ہے۔ مولانا کو اس بات پر بھی اعتراض تھا کہ تبلیغی جماعت میں ...... صرف ...... عبادات پر زور دیا جاتا ہے اور معاملات کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں جماعت تبلیغ میں متعلقہ لوگوں کی اخلاق اور معاملات پر توجہ کم ہوگئی ہے او اس کی افادیت میں کمزوری آ گئی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ تبلیغی جماعت کی حمایت یا مخالفت قرآن و حدیث کی مخالف نہیں ہے اور یہ دونوں باتیں ...... ہر شخص کے اپنے اجتہاد اور اپنے فکر پر مبنی ہیں۔ علاوہ ازیں تبلیغی جماعت سے صرف مولانا ہی کو شکایت نہیں تھی بلکہ بہت سے علمائے کرام کو بھی بہت سی شکایات ہیں، لہذا اس کی بنا پر نہ تو کسی شخص کو قابل مذمت کہا جاسکتا ہی اور نہ ہی قابل تعریف۔

ادارہ

افکار و تاثرات

اکوڑہ نہ آنے پر افسوس............... حضرت مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، لندن

برادرم مولانا راشد الحق صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! تازہ الحق بابت مارچ ۲۰۱۳ء میں ایک مضمون بعنوان" دیوبند سے واپسی" چھپا ہے۔ براہ کرم مصنف سلمہ کو مکلف کیجئے کہ وہ مولانا محترم سے دریافت کریں کہ وہ دیوبند میں عتیق الرحمٰن نامی طالبعلم کے ہم سبق مطلع الانوار تو نہیں ہیں؟ مجھے لگتا ہے کہ واقعہ شاید یہی ہے اور ایک نہایت نفیس گم گشتہ ساتھی کی دریافت ہوگئی ہے۔ حضرت والد ماجد سے سلام کے ساتھ عرض کیجئے کہ مجھے ادھر کے سفر کی جو امید تھی وہ حیات نعمانیؒ کا کام اندازہ کے مطابق وقت میں پورا نہ ہوسکنے کی وجہ سے پوری نہیں ہوسکی اور افسوس رہا۔ میری بھی خواہش تھی اور مولانا محترم نے بھی خواہش کا اظہار فرمایا تھا کہ مشاہیر کے خطوط مجھ تک پہنچیں۔ اتفاق سے اس وقت اہل تعلق میں سے ایک نوجوان اپنے گھر اسلام آباد گئے ہوئے ہیں میں ان کا فون نمبر دیتا ہوں اگر آپ چاہیں تو ان سے رابطہ کرلیں شاید ان کے ذریعہ یہ تحفہ مجھ تک پہنچ سکے۔ والسلام: عتیق الرحمٰن، لندن

مولانا سعید احمد رائے پوریؒ افکار و آراء............ مولانا محمد عبدالمعبود، راولپنڈی

اذکروا محاسن موتاکم و کفوا عن مساوئھم

"الحق" ایک علمی تحقیقی اور نظریاتی مجلہ ہے۔ جو اپنی شاندار تاریخ اور سنہری روایات کے اعتبار سے ملک کے جرائد و مجلات میں امتیازی شان سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ جس کے مدیر محترم اور مضمون نگار حضرات اعتدال، میانہ روی اور مثبت انداز سے دین متین کی نشر و اشاعت اور ترویج و ترقی میں سرگرم عمل ہیں۔

اپنے اسلاف کے افکار و نظریات کا پاسدار یہ مجلہ حق و صداقت کی صدائے خوش نوا بھی نہایت دلنشین اور دلربا پیرائے میں بلند کرنے کا خوگر ہے۔ جس کا مطمع نظر اللہ جل مجدہٗ کا یہ فرمان ذی شان ہے۔

ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلھم بالتی ھی احسن (نحل ۱۲۵)

ماہنامہ الحق محرم الحرام ۱۴۳۴ھ کے شمارہ میں جناب ڈاکٹر محمود الحسن عارف کا مقالہ مولانا سعید احمد رائے پوریؒ بانی تنظیم" فکر شاہ ولی اللہ" پڑھا۔ راقم اثم کی رائے میں یہ مقالہ "الحق" کی اعتدال پسند پالیسی سے مطابقت نہیں رکھتا، یہ محض حضرت مدیر محترم کی عالی ظرفی اور رواداری کی نادر مثال ہے کہ اسے پذیرائی بخشی۔

ڈاکٹر عارف نے بے موقع اور بے محل مولانا مرحوم کے متعلق ایسی بحث چھیڑ دی ہے۔ جس سے ان کی

شہرت اور علمی، سیاسی اور اصلاحی حیثیت بری طرح مجروح ہوئی ہے۔ اگر مرحوم کی حیات میں ڈاکٹر عارف اپنی اس حسن عقیدت کا اظہار کرتے اور مرحوم کے کردار کو زیر بحث لاتے تو اتنا مذموم نہ ہوتا جتنا کہ مرحوم کی رحلت کے بعد ان کی کردار کشی کرنا مذموم ہے۔ اب تو اسلامی آداب و اخلاق کی روشنی میں مرحوم کے محاسن کا تذکرہ عام کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ انہیں متنازع شخصیت کے طور پر پیش کرنا۔

حضور انور ﷺ کا ارشاد والا شان ہماری رہنمائی تو اس کے برعکس کرتا ہے۔

اذکروا محاسن موتاکم وکفوا عن مساولھم

اگر چہ ڈاکٹر عبدالحکیم اکبر نے اس کا دیانتدارانہ تجزیہ پیش کر کے حقائق کو طشت از بام کر دیا ہے، اس لئے مزید کچھ لکھنے میں خیر کا پہلو مفقود نظر آتا ہے۔ جبکہ شر کے شرارے ان گنت پائے جاتے ہیں۔ لہذا اس بحث کو ختم کر دینا مناسب ہے۔ محمد عبدالمعبود عفا اللہ عنہ ۷ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ

پوری امت کا سرمایہ عظیم .... مولانا مشتاق عباسی' کراچی

حقیقت یہ ہے کہ حضور والا آپ اس وقت پوری امت کا سرمایہ عظیم ہے۔ آپ کا وجود مسعود امت کیلئے عظیم نعمت ہے۔ جو کچھ ہمارے اکابر حضرت مدنیؒ، حضرت بخاریؒ، حضرت ابوالکلام آزادؒ، حضرت سندھیؒ و دیگر حضرات کے ساتھ قوم نے اور اپنوں نے سلوک کیا وہی آپ کے ساتھ آج اپنے اور بیگانے سبھی کر رہے ہیں ایک بوڑھی جان ہے اور ہر طرف سے طوفان ہیں۔ ایک مولانا سمیع الحق ہیں جو درمیان میں پہاڑ کی طرح کھڑے ہیں دکھ سہہ رہے ہیں، مگر دعائیں دے رہے ہیں۔ حضرت آپ کے معاملات پریشانیاں کو دیکھ کر آنکھوں سے بے اختیار آنسو آجاتے ہیں۔ آپ کی آسانیوں اور عافیت کیلئے دعائیں کرتا رہتا ہوں۔ مگر کیا کریں راہ عزیمت کچھ ایسی ہے دنیا چھوڑ کر سکون ملے گا۔

خطبات مشاہیر کی اشاعت ہمارے لئے، اہل علم، خطبا، واعظین، مبلغین، سالکین، عابدین، زاہدین سب کیلئے بڑا سرمایہ ہوگی۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ ایک عظیم بحر محیط ہیں جس نے لیڈروں سیاستدانوں، حکمرانوں، علماء و مشائخ، صحافیوں، محققوں، ادیبوں، شاعروں، محدثین، فقہاء مدرسین، سالکین عارفین سب کو گھیر رکھا ہے۔ اللہ کرے ساری عمر سب آپ کو مل جائیں اور آپ کے وجود مسعود سے امت کو فیضان ملتا رہے خانپور سے ابھی کراچی آیا تھا۔ آنحضور کے مکتوب کی زیارت کر کے تسکین حاصل کی۔ مشتاق عباسی' ماہنامہ ''الہادی'' کراچی

قرآن وسنت اور خلفاء راشدین کے دستور کا پرچار .... مولانا مہر محمد میانوالوی

آپ قرآن وسنت اور خلفاء راشدین کے مطابق دستور کا پرچار کریں کہ تمام اہل سنت ان کا نظام تسلیم کریں گے' فرقہ خاصہ حضرت علیؓ کا نظام حکومت اور نہج البلاغہ کی تعلیمات کے مطابق شرک و بدعت اور مسلم دشمنی

سے ہٹ کر زندگی گزارے آپ اگر میری ''تلخیص نہج البلاغہ'' اور قرآن وسنت اور نورانی تعلیمات اہل بیت کرامؑ سے قانون سازی کرائیں وہ مطمئن ہو گے اور ۹۰٪ عوام فقہ حنفی کو بخوشی مانیں گے۔ ۵٪ اہل حدیث اگر سعودی عرب اور متحدہ عرب امارت میں اکثریتی فقہ حنبلی کے ماتحت ہیں' ایرانی شیعہ اکثریت فقہ جعفری کی پابند ہے تو یہاں اکثریتی قانون دنیا بھر کے دستور کے مطابق سب تسلیم کریں۔ اپنے پرسنل لاء پر دیگر قوتوں کی طرح اپنے نکاح ووراثت وغیرہ میں الگ عدالت سے فیصلے کرالیا کریں اور حکومت رعایت دے تو ان دوملکوں کی طرح امن وامان کی دولت پاکستان کو بھی نصیب ہو۔ ایران وسعودیہ کا قانون ودستور سامنے رکھا جائے اور ان کے مطابق یہاں کی اکثریت واقلیت کو اصل حقوق دیئے جائیں مگر رسوم و بدعات سے بچایا جائے' فرقوں کو باہم جوڑنے اور قرآن وسنت واصل فقہ امام کے مطابق قانون سازی میں احقر تعاون کیلئے تیار ہے۔ والسلام آپ کا مخلص

مہر محمد میانوالوی' میانوالی

خود بیتی لکھنے کی ضرورت .... خاور چودھری' اٹک

آپ سے ملاقات کا نقش ذہن میں روشن ہے آپکا اخلاص اور محبت یادگار ہیں۔ ''خطبات مشاہیر'' ایک عظیم کارنامہ ہوگا' جیسے ''مکاتیب مشاہیر'' استاذ مکرم ڈاکٹر گوہر نوشاہی صاحب اگر چہ ناردرن یونیورسٹی سے اس اہم کام پر ایم فل کروانے کے ارادوں میں ہیں مگر میں سمجھتا ہوں ''مشاہیر'' کی مختلف جہات میں اور ہر جہت الگ سے کام کی متقاضی ہے۔ یہ ایک خزینہ ہے جسے نسل نو کو منتقل کر کے آپ نے احسان کیا ہے۔ آپ اپنی ''خود بیتی'' اور یادداشت کو لازمی قلم بند فرمائیں۔ یہ ایک لحاظ سے قومی امانت بھی ہے۔ آپکو دینی ''علمی'' سیاسی اور مجلسی زندگی اور ان سب کو متعلقات کو ضرور کتابی صورت میں آنا چاہیئے میری خواہش ہے آپ ضرور اور جلد اس جانب توجہ دیں۔ کارلائقہ کیلئے یاد رکھیے گا۔ خاور چودھری' معروف کالم نگار روزنامہ اسلام

پنجاب ٹیکسٹ بورڈ اور نصاب تبدیلی .... قاضی محمد رویس خان ایوبی' مظفر آباد

آپ کی توجہ ایک اہم موضوع کی طرف مبذول کروا رہا ہوں' جسے ٹی وی پر بھی ایک سطری سرخی میں جاری کر دیا گیا ہے' پاکستان میں یوں تو مشرف کے دور سے ہی اسلامی تشخص پر کلہاڑا نہیں بلکہ ڈرون حملے جاری ہیں۔ اور اسلام کے نفاذ کے دعویدار کچھ تو بے بس ہیں اور کچھ باطل پرست قوتوں سے سمجھوتہ کر کے اپنے مفادات کے بتوں کے گرد محو طواف ہیں۔ بندہ اپنی دینی ذمہ داری سمجھتا ہے کہ جناب کو توجہ دلاؤں کہ اس خوفناک سازش کے خلاف اپنے قلم کو حرکت میں لائیں اور ''نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری'' کا عملی مظاہرہ فرمائیں۔

پاکستانی میڈیا الیکٹرانک یا پرنٹ سب کا سب بے دینی اور الحاد کا پرچار کر رہا ہے' پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ نے دسویں جماعت کی اردو معاشرتی علوم میں جو تبدیلیاں کی ہیں اُسے دی نیوز اخبار نے انگلش میں مورخہ

24-3-2013 کو شائع کردیا ہے۔ از راہ کرم اللہ اور رسولؐ کے نظام کے تحفظ کی خاطر اپنی توفیق کے مطابق زوردار اداریہ تحریر فرمائیں اور حکومت پنجاب کو تمام دینی اداروں اور عوام کی طرف سے یادداشتیں ارسال فرمائیں۔

چند تبدیلیاں حسب ذیل ہیں: ''اسلامی نظریہ پاکستان'' اور حضرت عمرؓ سے متعلق مضامین کے ساتھ ساتھ اسلام سے متعلق شاعری بھی نئی کتاب میں شامل نہیں کی گئی۔ اسی طرح کتاب کے ٹائٹل پر علامہ اقبال کی تصویر تو لگائی گئی ہے لیکن کتاب کے متن سے علامہ کی نظم نکال دی گئی ہے۔ جبکہ اردو لازمی کی کتاب میں سے ''حضرت عمر فاروق ایک عظیم ایڈمنسٹریٹر'' علامہ شبلی نعمانی کا مضمون نکال کر' اس کی بجائے مرزا محمد سعید پر ایک مضمون شامل کیا گیا ہے جس کے مصنف شاہد احمد دہلوی ہیں۔ نظریہ پاکستان جس کے مصنف ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان ہیں جس میں پاکستان کی تخلیق کی اساس بتائی گئی ہے اس کو نکال کر اس کے بجائے اشرف صبوحی کی تحریر کردہ کہانی ''پرستان کی شہزادی'' شامل کی گئی ہے۔ مولوی عبدالحق کی تحریر کردہ ''مسدس حالی'' کو نکال دیا گیا ہے اور اس کے بجائے ڈاکٹر وحید قریشی کا مضمون ''عیدالفطر اردو ادب میں'' شامل کیا گیا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا تحریر کردہ مضمون ''قربانی'' خارج کردیا گیا ہے' جس میں ایک بچہ اپنی عیدی غریبوں میں تقسیم کردیتا ہے۔ فاطمہ بنت عبداللہ جو طرابلس میں مجاہدین کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوگئی تھی' یہ مضمون بھی اس کتاب سے خارج کردیا گیا ہے۔

''مشاہیر'' ایک تاریخی دستاویز............ مولانا سعید الحق جدون حقانی

مکاتیب مشاہیر کے بارے میں کئی حضرات نے خطوط بھیجے ہوں گے' اور شاید ہی میں سب سے آخری لکھنے والا ہوں۔ مجھے اپنی سستی' کم ہمتی اور بے بضاعتی کا اعتراف ضرور ہے لیکن اس سلسلے میں یہ ارادہ کیا تھا کہ جب مشاہیر کا بالاستیعاب مطالعہ کروں' تب حضرت کی خدمت میں لکھوں گا۔

اب الحمدللہ مشاہیر کو من البدایہ الی النہایۃ بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ اس لئے چند کلمات لکھنے کا ارادہ کیا۔ اگرچہ مجھے لکھنے کا سلیقہ نہیں آتا' تاہم عشق ومحبت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے چند صفحات سیاہ کرتا ہوں بقول غالب: خط لکھیں گے اگرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

یہ کتاب نہیں بلکہ ان لوگوں کیلئے دندان شکن جواب ہے جو کہتے ہیں کہ علماء معاشرے کے ساتھ نہیں چل سکتے یا علماء ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ آج الحمدللہ ہم ان جدت پسندوں کو چیلنج دیتے ہیں کہ آئیں اور مکاتیب مشاہیر کا مطالعہ کریں' آپ کو اپنے اس اعتراض کا جواب مشاہیر میں ملے گا' ان پانچ ہزار خطوط سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ علماء معاشرے کے ساتھ چل سکتے ہیں یا نہیں؟ ہمارے استاد محترم مولانا سمیع الحق صاحب ایک دینی مدرسے کے پڑھے ہوئے ہیں۔ ام المدارس اور ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل ہیں' انہوں نے برسٹن' آکسفورڈ اور کیمبرج میں تعلیم حاصل نہیں کی۔

مکاتیب مشاہیر میں استاد محترم کو مختلف مکاتب فکر لوگوں نے خطوط لکھے ہیں' چاہے وہ سیاسی لوگ ہوں یا صحافی' تاجر برادری ہو یا صنعت کار' شاہان سلطنت ہو یا وزراء مملکت' دانشور ہو یا شعراء' علماء ہو یا طلبا' بڑے ہوں یا چھوٹے' ہم وطن ہوں یا بیرون دنیا کے گویا اس تاریخی دستاویز میں آپ سعودی عرب کے بادشاہان شاہ خالد بن عبدالعزیز' ملک فہد بن عبدالعزیز اور شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کے خطوط بھی پائیں گے اور واشنگٹن کے میجر جنرل کلے بنگھم اور امریکہ کے سفیر کیمرون مونٹر کے خطوط بھی' جہاں شیخ الازہر سمیت دیگر وائس چانسلروں اور تعلیم یافتہ لوگوں کے کلمات خیر اس کتاب کا حصہ ہے۔ وہاں ایران' سعودی عرب' کویت' لیبیا' فلسطین' تاجکستان' سمرقند' وبخارا' برما' تھائی لینڈ' جاپان' امریکہ' جرمنی اور برطانیہ کے گورنروں' سفارتکاروں' وزراؤں اور دیگر اہم شخصیات کے خیالات واحساسات وتاثرات شامل ہیں۔

اس کتاب میں ایک طرف مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا اعزاز علیؒ، مولانا خان بہادرؒ، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا ابوالاعلی مودودیؒ، مولانا امین احسن اصلاحیؒ، مولانا بہاء الحق قاسمیؒ، مولانا حسن جان شہیدؒ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مفتی رشید احمدؒ، مولانا زکریاؒ، مولانا عاشق الٰہی بلندی شہریؒ، مولانا عبدالماجد دریابادیؒ، علامہ شمس الحق افغانیؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ، مولانا موسیٰ البازیؒ، حضرت نفیس الحسینیؒ، مولانا یوسف بنوریؒ، مفتی نظام الدین شامزیؒ اور مولانا یوسف لدھیانویؒ جیسے اساطین علم او رجبال معرفت کے رشحات قلم موجود ہیں۔تو دوسری طرف جنرل ضیاء الحق' ذوالفقار علی بھٹو' نواز شریف' سردار عبدالقیوم' وسیم سجاد اور یوسف رضا گیلانی جیسے شاہان سلطنت اور وزراء مملکت کے خطوط اس فہرست میں شامل ہیں۔

جس طرح دارالعلوم حقانیہ پورے عالم اسلام میں اہل حق کی ایک پہچان ہے' اسی طرح آپ بھی علماء دیوبند میں ایک امتیازی مقام رکھتے ہیں۔آپ کی کتاب ''مکاتیب مشاہیر'' مکتوبات امت میں بلند مقام کی حامل کتاب ہے۔مشہور مقولہ ہے کلام الملوك ملوك الكلام۔مذکورہ بلند نسبتوں کو دیکھ کر آپ کی کتاب کے بارے میں یہ جملہ مناسب سمجھتا ہوں ۔كتاب الملوك ملوك الكتب

اس کتاب میں ہمارے ان اکابر کے خطوط شامل ہیں جو آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ان کے خطوط دیکھ کران کی یاد تازہ ہوتی ہے۔شاعر نے کیا خوب کہا ہے

تدوم الخط فی القرطاس دهرا وكاتبه رميم فی التراب

کتاب میں جملہ خطوط نہایت مفید اور ایک تاریخی دستاویز ہے۔البتہ آنجناب کے قلم سے لکھی ہوئی حاشیہ خاصے کی چیز ہے۔آنجناب کے جو ملفوظات وارشادات' جمع کر رہا ہوں ان شاء اللہ مکاتیب کے اس حاشیے سے بھی کچھ نہ کچھ شامل کروں گا۔ ع قلم ایں جارسد وسر بشکست ۔ سعید الحق جدون حقانی' گدون امازئی صوابی

جناب شفیق الدین فاروقی

دارالعلوم کے شب و روز

دارالعلوم حقانیہ کی نئی عظیم الشان زیرتعمیر جامع مسجد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کی غیر رسمی افتتاحی تقریب کی رپورٹ:

الحمدللہ مورخہ ۶ اپریل ۲۰۱۳ء بروز ہفتہ صبح ساڑھے نو بجے کو مسجد کیلئے مختص نئے پلاٹ میں باقاعدہ کھدائی کی تقریب منعقد ہوئی۔ یہ تقریب ہنگامی نوعیت کی تھی' کوئی تیاری اور دعوت نامہ اس سلسلے میں تیار نہیں کیا گیا تھا۔ صرف دارالعلوم کے تمام مشائخ' علماء' اساتذہ کرام' انتظامیہ' طلباء کرام اس موقع پر جمع تھے۔ سب سے پہلے دارالحفظ کے سینکڑوں طلباء نے پلاٹ میں سورہ یسین اور قرآن کی مختلف سورتوں کی تلاوت سے آغاز کیا۔ پھر بعد میں اساتذہ کرام کی موجودگی میں شعبہ حفظ کے طالبعلم نے سورہ بقرہ کی آیات وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ الخ تلاوت کی۔ پھر مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے مسجد کی نئی تعمیر کے حوالے سے چند افتتاحی کلمات فرمائے:

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم واذا یرفع ابراهیم القواعد من البیت واسماعیل الخ

قابل احترام اساتذہ کرام وطلباء عظام!

یہ تقریباً ایک ہنگامی نوعیت کی تقریب ہے' بہت وقت سے یہ تمنا تھی جیسے کہ دارالعلوم کی شان ہے' اس کے شایان شان ایک عظیم الشان مسجد بھی ہو' کئی سالوں سے یہی تمنا اور پروگرام ہے لیکن ہر امر مرهون باوقاتہ جو وقت اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے' اسی وقت ہوگا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ وسائل نہیں ہیں اور اس پر کروڑوں روپے لگتے ہیں۔ ۵ سال پہلے یہ تخمینہ لاگت ۱۰ کروڑ تھی مگر اب مہنگائی کی وجہ سے ۳۰ کروڑ تک پہنچ گیا۔ وسائل کی کمیابی کی وجہ سے دارالعلوم کے اخراجات بمشکل پورے ہوتے ہیں' لہٰذا ایسے حالات میں مسجد کی تعمیر کارے دار...... لیکن ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے وہ ہی اسے بنائے گا' ہم سے مزید انتظار نہ ہوسکا اور توکل کر کے کام شروع کرنے کا ارادہ کرلیا۔ ہماری تو صرف کوشش ہے باقی اللہ تعالیٰ کی مرضی' السعی منا والاتمام علی الله تعالیٰ چونکہ یہ مسجد شیخ الحدیث مولانا عبدالحقؒ کے نام نامی سے موسوم ہے' ان شاء اللہ حضرت شیخ الحدیث اور دارالعلوم حقانیہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا جب یہ ارادہ کیا...... تو بہت پریشان تھا کہ کیا ہوگا...... تو رات کو خواب

میں دیکھا کہ "شیخ الحدیثؒ انتہائی نورانی کیفیت میں میں چارپائی میں پڑے ہیں۔ اردگرد بہت سے لوگ جمع ہیں...... میں نے عرض کیا کہ حضرت! ہم تو نئی مسجد کا بنیاد رکھنا چاہتے ہیں، ہماری خواہش ہے کہ یہ بنیاد آپ کے دست مبارک سے رکھی جائے...... لہٰذا ایک منٹ کے لئے تکلیف فرمائیں...... حضرت شیخ الحدیثؒ نے فرمایا! بیٹا ایک منٹ نہیں بیس منٹ لگ جائیں کوئی بات نہیں۔ گویا عالم ارواح میں حضرت شیخ الحدیثؒ نے اس کی بنیاد خود اپنے دست مبارک سے رکھی۔ ان شاء اللہ تقریب کا باقاعدہ افتتاح بعد میں کریں گے۔ جس میں نیچے سنگ بنیاد رکھا جائے گا، اس میں ملک بھر کے مشائخ عظام اور اکابرین اور معاونین دارالعلوم حقانیہ شرکت کریں گے۔ لیکن دل میں خیال آیا کہ مسجد کے تہہ خانے کی کھدائی کے وقت بھی تمام اساتذہ و مشائخ اور طلباء کرام شریک ہوں اور ان کی دعا سے اب شیوخ دارالعلوم حقانیہ خصوصاً مولانا شیخ شیر علی شاہ صاحب مدظلہ دعا فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ دارالعلوم حقانیہ کو داخلی اور خارجی تمام فتنوں سے دور فرمائیں اور دارالعلوم حقانیہ کی یہ مسجد جامع الازہر یا دارالعلوم دیوبند اور دیگر تاریخی مساجد کی طرح یہ بھی اعلیٰ تعمیر کا شہکار ہو۔ یہ کوئی عام مسجد نہیں کہ صرف نمازی اس میں نماز پڑھیں گے بلکہ یہ درس و تدریس، ذکر فکر اور قال اللہ وقال الرسول ﷺ کا مرکز بھی ہوگا۔ ان شاء اللہ

اس کے بعد شیخ الحدیث ڈاکٹر حضرت مولانا شیر علی صاحب مدظلہ نے مسجد کی تعمیر و ترقی کیلئے خصوصی پراثر دعا فرمائی۔ اس کے بعد دارالعلوم کے اساتذہ کرام نے مجلس میں موجود سب سے چھوٹے بچے کا انتخاب کرنا چاہا تو قرعہ فال حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے پوتے اور مولانا راشد الحق مدیر الحق کے چھوٹے پانچ سالہ صاحبزادے محمد عمر کے نام نکلا اور اس چھوٹے معصوم کے ہاتھوں سے کھدال کے ذریعے مسجد کی تعمیر کا آغاز توکل علی اللہ کردیا گیا۔ بعد میں دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ، نائب مہتمم حضرت مولانا انوار الحق صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب عرف دیر باباجی، شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سیف اللہ صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب، ناظم اعلیٰ دفتر اہتمام مولانا اظہار الحق صاحب، مولانا حافظ شوکت علی صاحب، مولانا مفتی غلام قادر صاحب، مولانا حامد الحق حقانی، مولانا مفتی مختار اللہ صاحب۔ مولانا فیض الرحمٰن صاحب۔ مولانا لقمان الحق صاحب، مولانا عرفان الحق صاحب و دیگر اساتذہ کرام اور دارالعلوم کے بزرگ و مجذوب مولانا خیر البشر صاحب نے باری باری کھدال کے ذریعے مٹی ہٹائی۔ اس موقع پر دارالعلوم کے طلباء و اساتذہ کرام نے بغیر کسی تحریک کے چندہ بھی اکٹھا کیا۔

دارالعلوم میں معزز علمائے کرام کی آمد: جنوبی افریقہ کے مفتی اعظم اور بین الاقوامی شہرت کے حامل حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، پروفیسر حضرت مولانا اظہار الحق صاحب کے ہمراہ دارالعلوم تشریف لائے اور دارالحدیث میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب سے ملاقات کی اور انکی خواہش پر طلباء سے تفصیلی بیان فرمایا۔

ادارہ

تعارف وتبصرہ کتب

آسان ترجمہ وتشریح قرآن مجید......مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ہندوستان کے نامور صاحب قلم ، مصنف ، مدرس اور فقیہ ہیں ۔ان کے علمی اور تصنیفی کام کو دیکھ کر ہر صاحب علم اس کے کثیر الجہت خدمات کو داد تحسین دینے پر مجبور ہو جاتا ہے' ان کے جدید فقہی مسائل ، کتاب الفتاوی اور قاموس الفقہ جیسے شاندار علمی کتابوں کے بعد ان کا آسان ترجمہ وتشریح قرآن مجید پیش خدمت ہے۔ کتاب کے ٹائٹل پر اس کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے۔

> آسان اور سلیس اردو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح ، جس میں مستند احادیث کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کو واضح کیا گیا ہے، انبیاء اور ان کی اقوام سے متعلق واقعات کے ذیل میں دعوتی نکات اور سبق آموز پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے ۔قرآن مجید سے مستنبط ہونے والے شرعی احکام اور جدید مسائل پر توجہ دی گئی ہے ۔اہل مغرب کی جانب سے پھیلائی جانیوالی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے ۔اور عصر حاضر کے غیر اسلامی افکار ونظریات کے بارے میں قرآن مجید کی وضاحت کی گئی ہے۔

چونکہ پہلی شائع شدہ جلد دس پاروں پر مشتمل ہے' تفسیر کے اسلوب اور زبان و بیان کو دیکھ کر قاری کو بار بار پڑھنے پر مجبور کرتا ہے راقم کی حقیر رائے کے مطابق اکابرین دیوبند کے جملہ تفاسیر کے نچوڑ و عصیر کو آسان زبان میں سمجھنا چاہے تو وہ اس تفسیر کے مطالعے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے ۔مولانا محمد رفیق صاحب نے حسب سابق کی طرح اِسے انتہائی دلکش انداز میں شائع کیا ہے۔تقریباً پانچ سو صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت علمی تفسیر مکتبہ زمزم نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی سے 250 روپے میں دستیاب ہے (م۔ا۔م)

اعتدال پسندی ......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ

الاعتدال فی مراتب الرجال برصغیر کے نامور عالم دین' محدث' محقق' مصنف' شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ کی بہترین تحقیقی کتاب ہے۔ جو انہوں نے اپنے ایک معتقد کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا ہے۔ کتاب کا بنیادی موضوع اس وقت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا باہمی سیاسی اختلاف تھا' جس پر دونوں حلقوں سے تعلق رکھنے والے علماء کرام تشویش کا شکار ہوئے چنانچہ ایک عالم

دین نے حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں عریضہ بھیجا اور شکایات کا اظہار کیا۔
جس کا شیخ الحدیثؒ نے جامع، تحقیقی اور فیصلہ کن جواب دیا۔ زیر تبصرہ کتاب میں حضرت شیخؒ نے علماء کا آپس میں اختلاف رحمت یا زحمت، علماء کا اخلاص، اختلاف کی صورتیں اور قابل اتباع کون؟ شدت اختلاف کے درجات، آپس کے اتفاق واتحاد کی چند مثالیں، طلبہ کیلئے اہم ہدایات اور علماء حق وعلماء سوء میں فرق اوران جیسے بے شمار قیمتی مضامین کو پُر مغز، مدلل ومکمل وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔
یہ کتاب اپنے موضوع پر بالکل منفرد کاوش ہے، خصوصاً عصر حاضر میں برصغیر خصوصاً پاکستان میں اکابر اورعلماء کرام کئی سیاسی گروہوں اور جماعتوں میں تقسیم ہیں، اصاغر کیلئے اس حوالے سے کیالائحہ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ یہ کتاب مذہبی طبقات اور دینی مدارس کے مطالعاتی نصاب میں شامل کرنے کے قابل ہے، خاص طور پر مقامی زبانوں خصوصاً پشتو زبان میں اس کا ترجمہ بہت ضروری ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ اس کو پڑھا سکے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، مولانا اختر علی صاحب، رفیق شعبہ وتصنیف بیت العلم کو جنہوں نے انتہائی عرق ریزی کے ساتھ جدید کمپوزنگ، علامات ترقیم عنوانات، ہرآیت وحدیث کی تخریج کرکے ایک قابل قدر کارنامہ انجام دیا۔ ۲۰۶صفحات پر مشتمل یہ علمی اور تحقیقی کاوش ۳۰۰/ روپے میں مکتبہ بیت العلم، فدا منزل نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی ۲۵۸۳۱۹۹-۰۳۲۲ سے دستیاب ہے۔ (م۔ا۔م)

توہین رسالت کا مسئلہ اور عمار خان ناصر............مفتی عبدالواحد صاحب

مولانا عمار خان ناصر ماہنامہ الشریعہ کے مدیر شہیر مولانا زاہد الراشدی کے فرزند اور امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر کے پوتے ہیں۔ ان کے متعلق حلقہ دیوبند میں افراط وتفریط پر مشتمل مختلف نظریات پائے جاتے ہیں کوئی تو ان کے ایمان پر شک کرتا ہے تو کوئی اسکو مجتہد مانتا ہے، کوئی اس کو منکر حدیث کہتا ہے تو کوئی معتدل ترین مذہبی سکالر، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ہاں "انزلو الناس منازلھم" پر عمل کم ہوتا جارہا ہے۔ فروعی مسائل پر لڑنے جھگڑے اور امت میں پھوٹ پھیلانے والے شخصیات کو "متکلم اسلام" جیسے بھاری بھر کم القابات سے نوازا جاتا ہے۔ لیکن علمی اور اخلاقی دائرے میں رہ کر ٹھوس دلائل کی بنیاد پر گفتگو کرنیوالوں کو کوئی وقعت نہیں ایسا ہی معاملہ مولانا عمار خان ناصر کیساتھ بھی ہوا ہے۔ ان کے خلاف اگر کسی نے فتویٰ دیا یا پروپیگنڈہ کیا تو اس کی شہرت چاردانگ عالم پھیل گئی اور اسپر کوئی علمی تنقید کی گئی تو اسکی کوئی حیثیت نہ دارد! عمار خان ناصر کے بہت سے نظریات سے اختلاف کی کافی گنجائش موجود ہے۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ اس کا علمی اور تحقیقی

تجزیہ کیا جائے۔

زیر تبصرہ کتاب بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔جس میں فاضل مقالہ نگار مفتی عبدالواحد صاحب نے عمار ناصر صاحب کی کتاب "توہین رسالت کا مسئلہ" پر تنقید کی ہے۔ یقیناً فاضل مقالہ نگار نے عصر حاضر کی اس اہم ترین موضوع پر قلم اٹھا کر اچھا اقدام کیا ہے اور کافی حد تک اپنے دلائل کو بیان کیا ہے مگر بعض عبارات اصول تحقیق کے منافی ہیں جیسے صفحہ نمبر ۶ پر عمار خان کے موقف پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لیکن عمار خان کی خواہ یہ بات ہو یا وہ بات ہو، ان کا مقصد تو دین وعلم کے نام پر انتشار پیدا کرنا ہے"......صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں" ان حالات میں ملک کے عوام وعلماء اگر ذمی کی سزائے موت کو ضروری سمجھیں تو عمار خان صاحب کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ امت کے اندر انتشار پیدا کریں"......صفحہ ۲۰ پر لکھتے ہیں:" اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ عمار خان صاحب کی یہ کتاب جب صرف کافروں اور دین سے بیزار لوگوں کو مفید ہے تو یہ حقیقتاً ان ہی کی خاطر لکھی گئی ہے"

مذکورہ عبارات میں فاضل مقالہ نگار نے اصل مسئلے کے بجائے اس کے ذات (Privacy) کو چیلنج کیا ہے ایسے عبارات سے صرف نظر کر کے اگر اس کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بہت مفید رہیگا۔فاضل مصنف نے اپنے موقف ٹھوس دلائل اور فقہاء امت کے کتابوں سے پیش کیا ہے جس پر وہ ہم سب کیطرف سے شکریے کے مستحق ہیں۔لیکن مولانا عمار خان ناصر کے حوالے اب ٹھوس علمی اور تحقیقی کتاب تمام علماء پر قرض ہے جس میں اس کے جملہ افکار ونظریات کا تحقیقی جائزہ لیا جائے۔اور انکی مثبت افکار کی تائید اور منفی نظریات کی تردید کی جائے......راقم کے خیال میں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب ہی اس موضوع کیلئے انتہائی مناسب شخصیت ہیں۔ 62 صفحات پر مشتمل یہ علمی اور تحقیقی کتابچہ دارالافتاء جامعہ مدینہ کریم پارک لاہور سے دستیاب ہے۔ (مولانا اسرار مدنی)

اسلامی بینکاری و جمہوریت .... جناب زاہد صدیق مغل

حضور ﷺ نے لعن عبدالدینار و عبدالدراھم فرما کر سرمایہ دارانہ نظام اور اس کی خرابیوں سے بچنے کی ترہیب فرمائی۔ کیونکہ سرمایہ دولت کا بہیمانہ اور ظالمانہ استعمال ہے۔اس نظام زندگی میں عقلیت، حرص، طمع، لالچ اور حسد کا غلبہ ہوتا ہے جو یقیناً تمام خرابیوں کی جڑ ہے۔زیر نظر کتاب سرمایہ دارانہ نظام اور اس کے فکری پس منظر کو سمجھنے میں ایک منفرد کاوش ہے۔ یہ کوئی مستقل کتاب نہیں بلکہ جناب زاہد صدیق مغل صاحب کے مختلف مقالات کا مجموعہ ہے جو ماہنامہ ساحل، الشریعہ اور محدث جیسے علمی پرچوں کی زینت بنتے رہے۔جدید علم کلام'

زیر بحث موضوع اور مصنف کتاب اور اسکے فکری پس منظر کو سمجھنے کیلئے نامور محقق اور نقاد جناب خالد جامعی کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"اٹھارہویں صدی میں مغرب کے غلبے کے بعد عالم اسلام میں روایتی علم کلام کا احیاء ہوا۔اس احیاء میں رسالہ حمید یہ کے مصنف شیخ الجسر سے لے کر قاسم نانوتویؒ،(تصفیۃ العقائد) فاضل بریلویؒ (الکلمۃ الملھمہ)، اشرف علی تھانویؒ (الانتباھات المفیدہ)،شبلی نعمانیؒ،سلیمان ندویؒ، مناظر احسن گیلانیؒ،ثناء اللہ امرتسریؒ، ایوب دھلویؒ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (رسالہ دینیات، تنقیحات، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، پردہ، سود، اسلام اور جدید معاشی نظریات) وغیرہ کے نام راسخ العقیدہ متکلمین کے چند نمائندوں کے طور پر پیش کیے جاسکتے ہیں۔جدید علم کلام کے نمائندہ مکاتب کی طرف سے شیخ عبدہ، جمال الدین افغانی، چراغ علی، کرامت علی جونپوری متولی امام بارگاہ، خدا بخش، سر سید اور سید امیر علی کے بعد اگلی نسل میں سب سے بڑا نام علامہ اقبالؒ کا ہے۔اسی قطار میں احمد دین امرتسری، اسلم جیراج پوری، غلام احمد پرویز، وحید الدین خان ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، ڈاکٹر طارق رمضان، شیخ یوسف قرضاوی وغیرہ کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ایک طویل تعطل کے بعد روایتی علم کلام کے جدید تقاضوں کے مطابق احیاء کی تحریک کا کام ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری نے سنبھالا کیونکہ یہ کام انگریزی زبان میں تھا لہٰذا اس کا دائرہ اثر محدود رہا۔ان کے تین قابل ذکر شاگردوں ڈاکٹر علی محمد رضوی، ڈاکٹر عبدالوہاب سوری اور زاہد صدیق مغل نے دین کے دفاع کے لئے جو منفرد کلامی اسلوب اختیار کیا اور روایتی علم کلام کو جس طرح حیات نو عطا کی اس کی مثال پورے عالم اسلام میں نہیں ملتی۔زیر نظر کتاب "اسلامی بینکاری اور جمہوریت" اسی دانش رفتگاں کی ایک جھلک ہے جو علماء کرام کے لئے ایک بے مثال کتاب ہے جس کے ذریعے وہ اس روایت کو سیکھ سکتے ہیں جسکے ذریعے مغرب کی جانب سے دین پر ہونے والے حملوں کا زبردست دفاعی اور اقدامی نظام بنایا جا سکتا ہے۔دینی مدارس اور اسلامی تحریکوں کے وابستگان کے لیے کتاب کا مطالعہ فکر ونظر، دلیل و برہان کے نت نئے دریچے کھولنے میں مدد دے گا"۔

۳۲۰ صفحات پر مشتمل یہ تحقیقی کتاب ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری صاحب کے تحقیقی مقدمے کیساتھ مکتبہ وراثت غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور ۴۳۲۵۳۵۸۔۰۳۴۵ سے دستیاب ہے۔(م۔ا۔م)

زندگی کے سارے سُکھ، صحت اور تن دُرستی سے ہیں

تن سُکھ سے تن دُرست

تن سُکھ جسم و جاں کو تقویت پہنچاتا ہے، نظامِ ہضم اور افعالِ جگر کی اصلاح کرتا ہے۔

ہمدرد

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

مدینۃ الحکمہ: تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔

Adarts -HTS-12/97(R

(پرشکوہ مجوزہ ماڈل) عظیم الشان تعمیری منصوبہ
جامع مسجد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ
جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

1 لاکھ فٹ کورڈ ایریا۔ 3 منزلہ مسجد۔ کشادہ ہال۔ گیلریاں
وسیع صحن۔ تین اطراف سے برآمدے۔ تہ خانہ میں دارالحفظ والتجوید کا قیام۔
الگ سیکشن برائے نماز خواتین

تخمینہ لاگت 20 تا 25 کروڑ

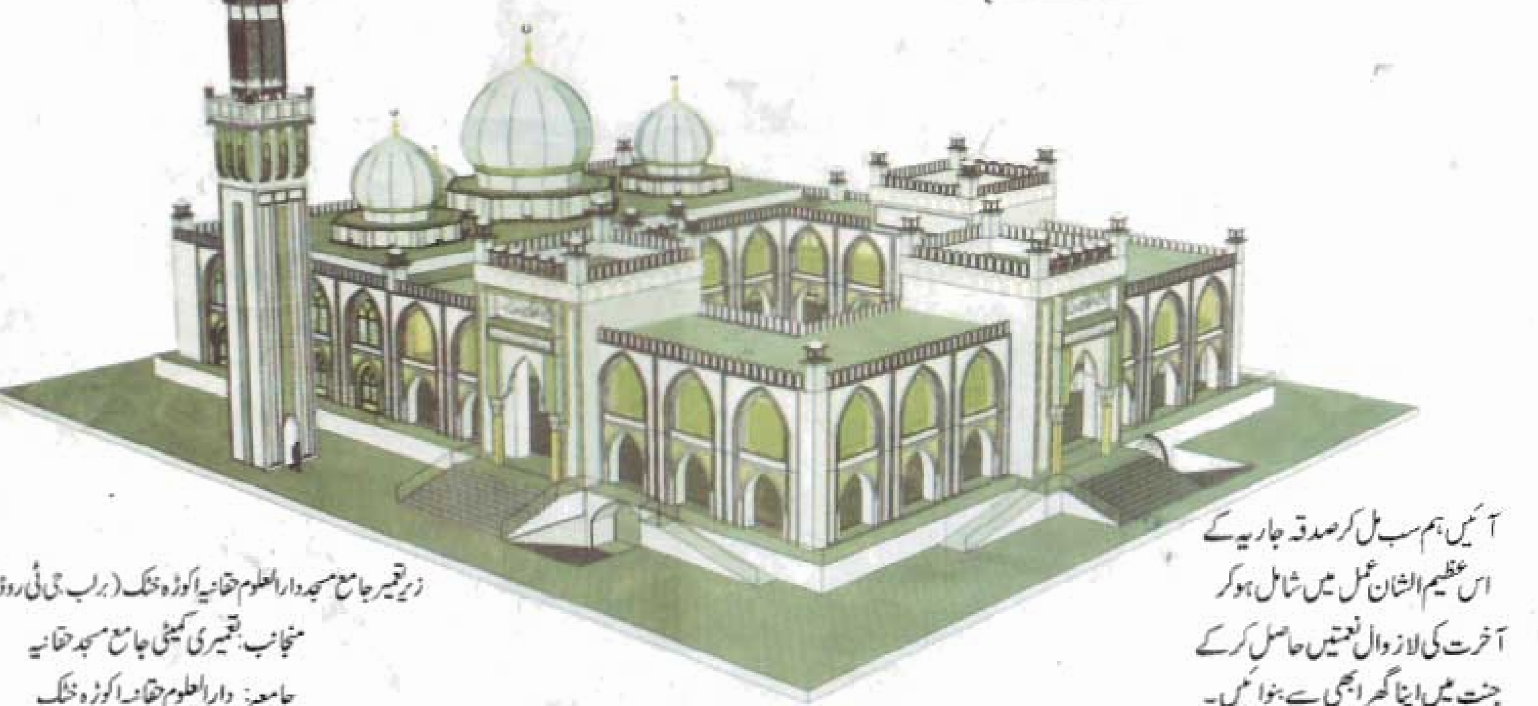

زیرِ تعمیر جامع مسجد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (بر لب جی ٹی روڈ اکوڑہ خٹک)
منجانب: تعمیری کمیٹی جامع مسجد حقانیہ
جامعہ: دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

آئیں ہم سب مل کر صدقہ جاریہ کے
اس عظیم الشان عمل میں شامل ہو کر
آخرت کی لازوال نعمتیں حاصل کر کے
جنت میں اپنا گھر ابھی سے بنوائیں۔